ترجمہ و ترتیب
نور الحسن راشد

حضرت
حاجی امداد اللہ مہاجر
مکی اور مولانا رشید احمد
محدث گنگوہی کے خطوط

ZAHEER

الٰہی بخش اکیڈمی کاندھلہ (مظفر نگر)

سلسلہ مکاتیب اکابر کی پہلی جلد جس میں حضرت حاجی
امداد اللہ مہاجر مکیؒ اور حضرت مولانا رشید احمد محدث گنگوہیؒ
کے غیر مطبوعہ خطوط شامل ہیں

ترتیب و ترجمہ

نور الحسن راشد کاندھلوی

ناشر

مفتی الٰہی بخش اکیڈمی، کاندھلہ (مظفر نگر یوپی)

(جملہ حقوق نقل و ترجمہ و اشاعت بحق مولف محفوظ)

سلسلۂ مطبوعات

(۱)

نام کتاب — تبرکات

مولف — نورالحسن راشد کاندھلوی

سال اشاعت — محرم ۱۳۹۶ھ - جنوری ۱۹۷۶ء

تعداد اشاعت — ایک ہزار

کاتب — ظہیر الاسلام خوشنویس سہارنپوری

مطبع — محبوب [illegible]

طابع و ناشر — (مفتی) الٰہی بخش اکیڈمی کاندھلہ
ضلع مظفر نگر یو، پی انڈیا
پن کوڈ 247775

پاکستان میں جملہ حقوق بنام

مکتبہ رشیدیہ ۳۲- اے شاہ عالم مارکیٹ لاہور پاکستان

محفوظ ہیں

"ان نفوس قدسیہ کے نام جو سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادِ گرامی کے مصداق ہیں۔ رُبَّ اشعث اغبر ذی طمرین یدفع بالابواب لو اقسم علی اللہ لابرّہٗ (مستدرک حاکم عن ابی ہریرہ)

بہت سے پراگندہ بال، گرد آلود، اور خستہ حال اشخاص ایسے ہیں کہ لوگ نفرت اور حقارت کی وجہ سے ان کی طرف سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ لیکن اگر وہ (خستہ حال) اللہ پر کسی بات کے لئے قسم کھا بیٹھیں تو اللہ تعالیٰ یقیناً ان کی قسم پوری فرما دے گا ——— مؤلف

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

چند باتیں

زمانۂ قدیم سے بزرگانِ دین اور علمائے امت کے مکاتیب کی جمع وترتیب کا معمول رہا ہے ابتداء میں عام طور پر سلوک وتصوف کے مکاتیب کی طرف توجہ رہی پھر علمی مباحث پر مشتمل مکاتیب کا بھی آغاز ہو گیا۔ بعد میں یہ سلسلہ وسیع ہو کر کافی متنوع ہوا۔ اب ہر قسم کے علمی، ادبی، سیاسی، صحافتی اور نجی خطوط شائع کرنے کا طویل سلسلہ جاری ہے۔ اور دن بدن اس میں اضافہ ہی ہے اس سلسلہ کی افادیت سے انکار بھی نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ تذکرہ وتاریخ نویسی کے جدید اصول میں بنیادی اہمیت مکاتیب کی ہے۔ ذاتی نوعیت کے خط لکھتے وقت ذہن وضمیر کے تمام دریچے کھلے ہوتے ہیں خط لکھنے والوں کو عموماً خط لکھتے وقت اس کا احساس نہیں ہوتا کہ یہ خطوط شائع ہو کر منظرِ عام پر بھی آسکتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ہر شخص اپنے خطوط میں بے تکلف، بہت سی بندشوں سے آزاد، اور زندگی کے صحیح خط وخال کے ساتھ نظر آتا ہے اس کے نظریات وخیالات، طرزِ زندگی، اخلاق وعادات اور ارد گرد کی معاشرت کا صحیح مطالعہ صرف ذاتی خطوط کے ذریعہ ہی ممکن ہے۔ لیکن نجی خطوط چھاپنے کی یہی گرم بازاری رہی تو تعجب نہیں کہ مستقبل میں اس فطری آزادیٔ ضمیر پر بھی پہرے بیٹھ جائیں اور ہر خط لکھنے والا اس کی عام

اشاعت کے خوف سے اپنے قلم کی آزادی کو پابہ زنجیر کردے۔ مگر بزرگانِ دین کے نجی خطوط اپنی افادیت اور اثر پذیری کے لحاظ سے عام خطوط سے بہت مختلف ہوتے ہیں ان کی حیثیت خط برائے خط تک ہی محدود نہیں ہوتی اس لئے انہیں اشاعت سے محروم رکھنا بڑا ظلم ہوگا۔

مکاتیب کے قدیم مجموعوں میں سے بعض مجموعے بجا طور پر ملتِ اسلامیہ کے مفاخر علمیہ میں شمار کئے جاسکتے ہیں۔ خصوصاً شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری (۶۶۱ھ ۷۸۲ھ) شیخ عبد القدوس گنگوہی (متوفی ۹۴۵ھ) مجدد الف ثانی خواجہ احمد بن عبد الاحد سرہندی (۹۷۱ھ ۱۰۳۴ھ) شیخ عبد الحق محدث دہلوی (۹۵۸ھ ۱۰۵۲ھ) خواجہ محمد معصوم سرہندی (۱۰۰۹ھ ۱۰۷۰ھ) اور شاہ ولی اللہ احمد بن عبد الرحیم محدث دہلوی (۱۱۱۴ھ ۱۱۷۶ھ) کے مکاتیب کے سدابہار قیمتی مجموعے کسی تعارف کے محتاج نہیں (مکتوبات کے دوسرے مجموعوں کے تعارف کے لئے ملاحظہ فرمایئے اسلامی علوم و فنون ہندوستان میں ص ۲۷۸ - ۲۷۹) ماضی قریب کی شخصیات میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اور مولانا رشید احمد گنگوہی کے مکاتیب بھی اسی فہرست میں شمار کئے جاسکتے ہیں۔ یہ مجموعے بلند پروازی اور حقائق و معارف پر کلام میں تو یقیناً ان قدیم مجموعوں سے لگا نہیں کھاتے لیکن اپنی افادیت کے پیش نظر بحیثیت مجموعی ان کے قریب قریب ضرور ہیں اس وقت تک حاجی امداد اللہ کے مکاتیب کے دو مجموعے اشاعت پذیر ہوئے۔

(۱) مرقومات امدادیہ۔ اسے مولانا وحید الدین رام پوری نے ۱۳۰۴ھ میں مرتب کیا اس مجموعہ کے فارسی خطوط کا ترجمہ مولانا عبد الحئی پروفیسر جامعہ عثمانیہ حیدرآباد نے کیا۔ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی اور مولوی سعید الدین رامپوری سابق مدار المہام ریاست بھوپال

نے اس پر حواشی لکھے یہ مجموعہ امداد المشتاق الی اشرف الاخلاق (سوانح حضرت حاجی صاحب) کی ساتھ شامل ہے۔

(۲) مکتوباتِ امدادیہ معہ صد فوائد اشرفیہ" حواشی و ترتیب از حکیم الامت تھانوی اس مجموعہ میں حکیم الامت کے نام پچاس خط شامل ہیں۔ ان دونوں مجموعوں کے تازہ ایڈیشن مکتبہ تالیفاتِ اشرفیہ تھانہ بھون، مظفر نگر نے شائع کئے ہیں۔

محدث گنگوہی کے مکاتیب کے کل تین مجموعے طبع ہوئے ہیں۔

(۱) "لطائف رشیدیہ" یہ مختصر مجموعہ صرف ۱۲ خطوط پر مشتمل ہے جو سب کے سب تفسیر قرآن سے متعلق ہیں۔ اس مجموعہ کو پہلی بار حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلویؒ نے شائع کیا اس کے بعد بھی کئی بار طبع ہوا۔ تازہ ایڈیشن مفتی عزیز الرحمٰن بجنوری نے "تفسیر رشیدی" کے نام سے شائع کیا ہے۔

(۲) "مکاتیبِ رشیدیہ" اسے مولانا عاشق الٰہی میرٹھی نے مرتب کیا اور عزیز المطابع میرٹھ سے طبع کرایا۔ اس میں کل ایک سو انچاس (۱۴۹) خطوط ہیں جن میں ۱۲ گرامی نامے حضرت حاجی صاحب کے اور ایک سو سینتیس (۱۳۷) خطوط محدث گنگوہی کے ہیں۔

(۳) "مفاضاتِ رشیدیہ" یہ مجموعہ مولانا اشرف علی سلطان پوری کے نام پچاس خطوط پر مشتمل ہے اسے حکیم نور الحسن منظور سلطان پوری نے اگست ۱۹۳۸ء میں کپور تھلہ (پنجاب) سے شائع کیا۔ ہماری معلومات کی حد تک یہ دونوں مجموعے صرف ایک ایک بار طبع ہوئے۔

مکاتیب کے مذکورہ مجموعوں کے علاوہ حضرت حاجی صاحب اور محدث گنگوہی کے مختلف غیر مطبوعہ خطوط رسائل و مجلات میں بھی وقتاً فوقتاً آتے رہے ہیں۔ تازہ ق۔ ذکر

مضمون محترم مولانا نسیم احمد صاحب فریدی کا ہے جو "جواہر پارے" کے عنوان سے ماہنامہ الفرقان لکھنؤ کی جنوری ۱۹۷۵ء، ... مارچ اپریل ۷۵ء کی مشترکہ اشاعت اور اگست ستمبر ۷۵ء کے شماروں میں آیا ہے۔ اس میں مولانا موصوف نے "مکاتیب رشیدیہ" کی تلخیص کی ہے اور ان پر مختصر نوٹس لکھے ہیں۔ اسی سلسلے کی ایک کڑی پیش نظر "مجموعہ مکاتیب" ہے۔ اس میں ایک گرامی نامہ سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کا اور آٹھ مکتوبات گرامی محدث گنگوہی کے ہیں یہ خطوط پہلی بار طباعت کی منزلیں طے کر رہے ہیں۔

محدث گنگوہی کے ان مکاتیب میں سے ابتدائی چار خط بہت اہم اور تاریخی ہیں۔ ان کے ذریعہ محدث گنگوہی کے پہلے سفر حج ۸۰-۱۲۷۹ھ ۶۳-۱۸۶۲ء کی بعض تفصیلات پہلی بار سامنے آرہی ہیں۔ تذکرۃ الرشید میں "حج فرض" کا عنوان ۱۷ صفحات پر پھیلا ہوا ہے (ص ۹۹-۲۱۵) مگر اس سے یہ معلومات حاصل نہیں ہوتی کہ راستے میں کیا کیفیات گذریں کن کن مقامات پر قیام رہا اس وقت کے عام کرایہ وغیرہ کیا تھے۔ عام لوگوں اور راستوں کی کیا حالت تھی؟ ان سب کے متعلق ان خطوط سے کچھ معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ یہ خطوط تاریخی دستاویز ہونے کے علاوہ محدث گنگوہی کے اعتماد علی اللہ اور شانِ عزیمت واستقامت پر بھی بڑی اہم روشنی ڈالتے ہیں۔ راقم سطور کا ان مکاتیب کے بارے میں کچھ اور عرض کرنا چھوٹا منہ بڑی بات ہوگی۔ میرا منصب نہیں کہ میں ان پر نقد وتبصرہ کروں۔

کام شروع کرتے وقت ارادہ یہ تھا کہ اپنے یہاں محفوظ ذخیرہ میں سے (جس کا تعارف چند سطروں کے بعد آرہا ہے) حضرت حاجی صاحب اور محدث گنگوہی کے علاوہ

مولانا محمد اسمٰعیل کاندھلوی (والد بزرگوار مولانا شاہ محمد الیاس کاندھلوی) مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوری۔ حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا شاہ محمد الیاس کاندھلوی، شیخ الاسلام، مولانا سید حسین احمد مدنی، مولانا شاہ عبدالقادر رائپوری اور حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی کے غیر مطبوعہ مکاتیب بھی اس مجموعہ میں شامل کئے جائیں۔ اور سرفہرست حضرت شاہ عبدالرحیم ولایتی شہید اور حضرت میاںجی نور محمد جھنجھانوی کے وہ گرامی نامے رہیں جو

ایک بار چھپ کر نایاب ہو چکے ہیں۔ اس صورت میں یہ کتاب اس طرح کی پہلی کوشش اور مکاتیب سلف کا ایک عجیب و غریب مجموعہ ہوتی لیکن پھر خیال یہ ہوا کہ عوام کی قوت خرید کتاب کی ضخامت کا ساتھ نہیں دے سکے گی۔ اس لئے مجبوراً ان مکاتیب کو کئی حصوں میں تقسیم کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ اب انشاء اللہ پیش نظر مجموعہ کی آئندہ اشاعت میں حضرت شاہ عبدالرحیم ولائتی شہید اور میاںجی نور محمد کے مکاتیب گرامی شامل ہو کر یہ جلد مکمل ہو جائے گی۔ دیگر اکابر کے خطوط دوسری جلدوں میں پیش کئے جا سکیں گے۔ وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔

اوپر کی سطروں میں جس ذخیرہ تبرکات کا ذکر آیا ہے اس کی مختصر کہانی یہ ہے کہ کاندھلہ (مظفر نگر۔یوپی) کے نامور صدیقی خاندان (جس کی مشہور شخصیات مفتی الٰہی بخش کاندھلوی قائم مثنوی مولانا روم متوفی ۱۲۴۵ھ، ۱۸۲۹ء مولانا ابوالحسن صاحب حسن مولف گلزار ابراہیم وغیرہ متوفی ۱۲۶۹ھ ۱۸۵۳ء حضرت مولانا مظفر حسین متوفی ۱۲۸۰ھ ۱۸۶۳ء/ مولانا نورالحسن متوفی ۱۲۸۵ھ ۱۸۶۸ء وغیرہ ہیں) کے تعلقات ہر دور میں مشاہیر اہل قلم، علما، مشائخ طریقت، شعرا، ارباب حکومت، اور دیگر اہل کمال

سے بہت قریبی رہے ان تعلقات کی یادگار احمد شاہ ابدالی کے ہندوستان پر حملہ ۱۷۶۱ء
کے بعد سے ۱۹۴۷ء تک مکمل دو صدیوں کے نامور مشاہیر کی ذاتی تحریروں، یادداشتوں
اور بیش بہا خطوط کا بڑا نادر ذخیرہ تھا جس میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی
حضرت سید احمد شہید، مرزا غالب، سرسید، مولانا محمد علی جوہر، ڈاکٹر اقبال، اور
شاہ عبدالرحیم ولایتی شہید سے اب تک کے تمام اکابر مشائخ کے خطوط بطور خاص
قابل ذکر تھے۔ اس ذخیرہ کی وسعت کا اس سے اندازہ کیجئے کہ اس میں صرف سرسید احمد
خاں کے سو سے زائد خط تھے۔

یہ خزانۂ عامرہ جو ہندوستان کی علمی، سیاسی، مذہبی، تاریخی، تہذیبی اور ثقافتی زندگی
کا نادر مرقع اور ایک بیش قیمت ورثہ تھا چار پانچ سال پہلے تک محفوظ رہا۔ لیکن
اس کا حسرت ناک انجام لکھتے ہوئے قلم بار بار رکتا ہے۔ کاش! اسے ذخائر علمیہ کی
تباہی کی الم ناک داستانوں میں آج اس نئی کہانی کا اضافہ نہ کرنا ہوتا۔ افسوس خاندان کے
ایک ناعاقبت اندیش فرد نے یہ پورا ذخیرہ مختلف لائبریریوں اور متفرق اشخاص کو
چند سکوں کے عوض فروخت کر دیا۔ ستم بالائے ستم یہ ہوا کہ جن کی کوئی قیمت نہ
لگی انہیں ضائع کر دیا گیا۔

اس ذخیرہ میں سے چند تحریریں اور خطوط والد بزرگوار مولانا افتخار الحسن صاحب
مدظلہم ودام مجدہم کے پاس محفوظ تھے جنہیں اس ذخیرۂ عظمیٰ کا عشر تو کجا عشیر بھی کہنا درست
نہیں۔ گذشتہ چند سالوں میں اس ذخیرہ میں کچھ اضافہ بھی ہوا۔ اب یہ ذخیرہ ۔ ان
اکابر و مشاہیر کی یادگاروں پر مشتمل ہے (۱) قاضی محمد اعلیٰ بن محمد علی تھانوی مولف کشاف
اصطلاحات الفنون متوفی ۱۱۹۱ھ ۔ (۲) حضرت قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی ۱۲۲۵ھ ۔

حضرت شاہ رفیع الدین محدث دہلوی متوفی ۱۲۳۳ھ ۱۸۱۷ء ۔ (۴) حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی متوفی ۱۲۳۹ھ ۱۸۲۴ء ۔ (۵) مولانا فضل امام خیرآبادی متوفی ۱۲۴۴ھ ۱۸۲۹ء (۶) مولانا محمد مملوک علی نانوتوی متوفی ۱۲۶۷ھ ۱۸۵۱ء (۷) جناب جعفر حسن موسوی مجتہد العصر تحریر ۱۲۷۲ھ (۸) شیخ الاسلام شیخ عبداللہ سراج حنفی مکی (۹) مولانا فضل حق خیرآبادی متوفی ۱۲۷۸ھ ۱۸۶۱ء (۱۰) مفتی صدر الدین آزردہ دہلوی متوفی ۱۲۸۵ھ ۱۸۶۸ء ۔ (۱۱) مولانا شیخ محمد محدث تھانوی متوفی ۱۲۹۶ھ ۱۸۷۹ء ۔ (۱۲) شیخ عبدالرحمن بن شیخ عبداللہ سراج حنفی مفتی مکہ مکرمہ (۱۳) مولانا سلطان حسن احسن بریلوی تلمیذ مولانا فضل حق خیرآبادی و مرزا غالب متوفی ۱۲۹۹ھ ۱۸۸۲ء (۱۴) مولانا محمد یعقوب نانوتوی متوفی ۱۳۰۲ھ ۱۸۸۵ء (۱۵) حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی متوفی ۱۳۱۷ھ ۱۸۹۹ء (۱۶) مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی متوفی ۱۳۲۰ھ ۱۹۰۲ء (۱۷) جسٹس سید محمود متوفی ۱۳۲۱ھ ۱۹۰۳ء (۱۸) نواب سید محمد اسحاق خاں خلف نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ ۱۳۲۳ھ ۔ (۱۹) حضرت مولانا رشید احمد محدث گنگوہی متوفی ۱۳۲۳ھ ۱۹۰۵ء (۲۰) شیخ الدلائل شیخ عبدالحق مہاجر مکی مولف "الاکلیل علیٰ مدارک التنزیل" متوفی ۱۳۳۳ھ ۱۹۱۵ء (۲۱) مولانا شاہ عبدالرحیم رائپوری متوفی ۱۳۳۷ھ ۱۹۱۹ء (۲۲) مولوی احمد رضا خاں بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ ۱۹۲۱ء (۲۳) شیخ الدلائل شیخ یوسف بن محمد بن علی باتسلی حریری ثم مدنی تحریر ۱۳۴۵ھ (۲۴) مسیح الملک حکیم اجمل خاں متوفی ۱۳۴۶ھ ۱۹۲۷ء (۲۵) مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری متوفی ۱۳۴۷ھ ۱۹۲۷ء (۲۶) مولانا حبیب الرحمن عثمانی مہتمم دارالعلوم دیوبند متوفی ۱۳۴۸ھ ۱۹۲۹ء (۲۷) حضرت علامہ انور شاہ کشمیری متوفی ۱۳۵۲ھ ۱۹۳۳ء (۲۸) نواب سر مزمل اللہ خاں بھیکم پور

متوفی ۱۳۵۷ھ ۱۹۳۸ء (۳۰) نواب اعز الدین احمد نواب لوہارو، (۳۱) مولانا عاشق الٰہی میرٹھی متوفی ۱۳۶۰ھ ۱۹۴۱ء (۳۲) حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ ۱۹۴۳ء (۳۳) مولانا شاہ محمد الیاس کاندھلوی متوفی ۱۳۶۳ھ ۱۹۴۴ء (۳۴) مولانا طفیل احمد منگلوری مولف "روشن مستقبل" متوفی ۱۹۴۵ء (۳۵) مولوی اسحاق علی، ظفر الملک ایڈیٹر الناظر لکھنؤ (۳۶) علامہ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ ۱۹۴۹ء (۳۷) نواب حبیب الرحمٰن خاں شروانی صدر یار جنگ متوفی ۱۳۷۰ھ - ۱۹۵۰ء (۳۸) مولانا مفتی محمد کفایت اللہ شاہجہان پوری متوفی ۱۳۷۲ھ ۱۹۵۲ء (۳۹) مولانا اعزاز علی امروہوی متوفی ۱۳۷۴ھ (۴۰) مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی متوفی ۱۳۷۶ھ (۴۱) شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی متوفی ۱۳۷۷ھ ۱۹۵۷ء (۴۲) مولانا احمد سعید سحبان الہند متوفی ۱۳۷۹ھ (۴۳) مولانا شاہ عبد القادر رائے پوری متوفی ۱۳۸۲ھ ۱۹۶۲ء (۴۴) مولانا محمد یوسف کاندھلوی متوفی ۱۳۸۴ھ ۱۹۶۵ء (۴۵) جناب محمد اسحاق الم مظفر نگری ۱۳۸۹ھ ۱۹۶۹ء (۴۶) ڈاکٹر ذاکر حسین خاں سابق صدر جمہوریہ ہند متوفی ۱۳۸۹ھ ۱۹۶۹ء (۴۷) مولانا ظفر احمد عثمانی ۱۳۹۴ھ ۱۹۷۴ء۔

مولف کی یہ پہلی تالیف ہے اس میں زبان و بیان کی خامیوں کا پایا جانا ناممکن نہیں مرتب کو نہ مصنف ہونے کا دعویٰ ہے نہ محقق و نقاد ہونے کا۔ اسلئے اس کتاب سے یہ امید شاید پوری نہ ہو کہ ان تمام کسوٹیوں پر پوری اتر سکے گی جنکی عام طور پر مولفین سے توقع کی جاتی ہے۔

یہ کتاب بہت پہلے آچکی ہوتی۔ لیکن اس خیال سے تاخیر ہوتی گئی کہ ان مکاتیب میں جن حضرات کے نام آئے ہیں ان کا مکمل اور صحیح تعارف حاصل ہو سکے اس کے لئے متعلقہ اشخاص سے بار بار ملاقاتیں کیں۔ اور خطوط کے ذریعہ بھی یاد دہانی کرائی گئی۔

لیکن اس بے حسی کا شکوہ کس کے پاس لے جائیں کہ کسی نے کوئی تعاون نہ کیا۔ بعض حضرات کو چھ چھ آٹھ آٹھ خط لکھے گئے۔ لیکن انہوں نے رسید کی زحمت بھی گوارہ نہ فرمائی خصوصاً کاندھلہ کے چند اشخاص اگر اس طرف معمولی سی توجہ بھی کرتے تو بڑی مفید اور نادر معلومات حاصل ہو سکتی تھیں۔ تاہم جن حضرات سے تھوڑا بہت تعاون حاصل ہوا میں ان کا تہہِ دل سے ممنون ہوں۔

نور الحسن راشد

مولویان۔ کاندھلہ۔ ضلع مظفر نگر یوپی

۲۰ محرم الحرام ۱۳۹۶ھ

۲۳ جنوری ۱۹۷۶ء

جمعہ

مکتوبِ گرامی

سیّد الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی
مہاجر مکیؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(۸۶)

از فقیر امداد اللہ عفی اللہ عنہ بخدمت بابرکت عزیزم حافظ اللہ دیا بیگ صاحب دام ذوقہ وشوقہ باللہ۔

بعد سلام ...... و دعائے خیر مشہود خاطر عزیز باد مسرت نامہ معہ مبلغ دہ روپیہ کہ پنج ازاں نذرانہ پیرانی خود، و پنج روپیہ برائے صرف احقر و دو روپیہ مرسلہ حافظ مظفر بخش صاحب دہلوی بدست حافظ عبد اللہ صاحب رسیدہ خوشنود ساخت و از حال مندرجہ اش اطلاع بخشید۔

عزیز من! طالبِ حق را باید کہ بہر حال از طلبِ او غافل نشود و از طرف خود در ذکر و شغل و مراقبہ مشغول ماند و ناامید نہ شود و طلبِ صادق کند و بریں قول عمل نماید شعر ؎

یابم او را یا نیابم جستجوئے می کنم حاصل آید یا نیاید آرزوئے می کنم

بعونہٖ تعالیٰ اتمام کار بمنہٖ خواہد شد

و آنکہ برائے آمدن خود نوشتہ بودند مضائقہ نیست بشرطیکہ اہل و عیال را تکلیف نہ باشد، و برائے زادِ راہ خود مقروض نشوند بیایند خدا تعالیٰ رحیم کریم است باقی حال اینجا بزبانی حافظ عبد اللہ معلوم خواہد شد بخدمت حافظ الٰہی بخش صاحب بعد سلام مضمونِ بالا۔

دیگر آنکہ در سال گذشتہ پنج روپیہ بدست منشی دوست علی صاحب مرسلہ آں صاحب رسیدند و شاید در جواب خط از سہو چہار روپیہ نوشتہ بیدہ باشند، این غلط است پنج روپیہ سال گذشتہ و دہ روپیہ حال رسیدند خاطر جمع فرمایند۔ بخدمت سید سعادت علی صاحب و حاجی حسینی حجام و حافظ محمد علی گنگوہی و سید رستم علی صاحب وغیرہ جمیع دوستاں و عزیزان سلام شوق برسد از حافظ عبداللہ و مولوی رحمت اللہ صاحب سلام و دعائے خیر برسد، بخدمت والدہ و اہلیہ معہ فرزندان آں صاحب دعائے خیر برسد و از اہلیہ من نیز سلام شوق برسد از نذرانہ شما خوش شدہ

مہر (محمد امداد اللہ فاروقی)
۱۲۷۵ھ

ترجمہ

فقیر امداد اللہ کی طرف سے بخدمت با برکت عزیزم حافظ اللہ دیا صاحب بعد سلام مسنون اور دعائے خیر کے آں عزیز کو معلوم ہو آپ کا مسرت نامہ معہ دس روپیہ کے جس میں سے پانچ روپیہ آپ کی پیرانی صاحبہ کے لئے اور پانچ روپیہ احقر کے اخراجات کے لئے تھے۔ اور دو روپیہ حافظ مظفر بخش دہلوی کے بھیجے ہوئے حافظ عبداللہ کے ذریعے پہونچے خوشی ہوئی اور حالات کی اطلاع ملی۔

میرے عزیز! طالب حق کو چاہئے کہ وہ کسی حال میں بھی طلب حق سے غافل نہ ہو ذکر و شغل اور مراقبہ میں مشغول رہے اور نا امید نہ ہو طلب صادق رکھے اور اس شعر پر عمل کرے

میں اسے پا سکوں یا نہ پاؤں اس کی جستجو کرتا رہوں گا
وہ حاصل ہو یا نہ ہو میں اس کی آرزو کرتا رہوں گا

خدا تعالیٰ کی مدد سے مقصد میں کامیابی حاصل ہوگی۔ اور تم نے جو یہاں آنے کے لئے

لکھا ہے اس میں کوئی حرج نہیں۔ بشرطیکہ اس سے تمہارے اہل وعیال کو تکلیف نہ ہو، اور تم زاد راہ کے لئے مقروض نہ ہو (اگر ایسا ہو سکتا ہے) تو آجائیں خدا تعالیٰ رحیم وکریم ہے۔ یہاں کے حالات حافظ عبداللہ کی زبانی معلوم ہوں گے۔ حافظ الٰہی بخش کی خدمت میں بعد سلام مسنون مضمون بالا لکھدیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ پچھلے سال آپ کے روانہ کردہ پانچ روپے منشی دوست علی کے ذریعہ پہونچے تھے شاید اس کے جواب میں بندہ نے غلطی سے چار روپیہ لکھدیئے تھے یہ غلط ہے پانچ روپیہ پچھلے سال اور دس روپے اس وقت پہونچے۔ اطمینان رکھیں۔!

سید سعادت علی صاحب، حاجی حسینی حجام حافظ محمد علی گنگوہی میر رستم علی وغیرہ کی خدمت میں اور تمام دوستوں اور عزیزوں کو سلام پہنچے۔ حافظ عبداللہ، اور مولوی رحمت اللہ صاحب کی جانب سے سلام اور دعائے خیر پہونچے میری اہلیہ کی جانب سے بھی سلام شوق پہونچے۔ تمہارے نذرانہ سے خوش ہوئیں۔

لفافہ:۔

انشاءاللہ در قصبہ کاندھلہ ضلع مظفر نگر برسد۔ بمطالعہ عزیزم میاں حافظ اللہ دیہ بیگ سلمہٗ برسد۔ از مقام مکہ معظمہ ۱۳؍ ذی الحجہ ۱۲۸۶ھ۔

(۱۶؍ مارچ ۱۸۷۰ء)

حرف دوم:۔ میاں عبدالغفور صاحب از برادر دینی شما اند بر حال شاں توجہ باید داشت۔

ترجمہ:۔ میاں عبدالغفور صاحب تمہارے دینی بھائی ہیں۔ ان کے حال پر توجہ رکھیں۔

عکس تحریر حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ

مَکاتِیب

حضرت مولانا رشید احمد محدّث گنگوہی

مکتوب اوّل

مشفقی حافظ اللہ دیہ صاحب دام شوقہ باللہ تعالیٰ۔

از احقر الناس رشید احمد عفی عنہ بعد سلام مسنون۔ مشہود باد۔ یہ عاجز مع تما
قافلہ بخیریت تمام جمعہ کے دن بیسویں تاریخ جمادی الاول (۱۲۷۹ھ ۱۴ر نومبر ۱۸۶۲ء
کو فیروز پور پہونچا اور ایک مکان بوساطت منشی دوست علی اور حاجی محمد یعقوب
کاندھلوی شہر میں مستعار ہاتھ آیا۔ راحت کا مکان تھا۔ مرد الگ اور عورتیں جد
(جدا) مکان میں رہیں۔ یکشنبہ کو دو کشتی متوسط کرایہ کی۔ آجکل کرایہ کشتی کا نہای
گراں ہے۔ اس واسطے کہ پنبہ اور سرسوں بہت کثرت سے ولایت کو جاتی ہے۔ ف
من پنبہ عہ ۴ر اور باقی اجناس فی من ۱۴ر کرایہ ہے۔ سو جو کشتی سو من بار لاد سکتی ہ
کم سو روپیہ سے کرایہ نہیں ہوتی۔ اس ناچاری کو بڑی کشتی کرایہ نہ کی کیونکہ بڑی کشتی ک
ہزار من کوئی اس سے زیادہ بار اٹھاتی ہے۔ سو اس قدر کرایہ کہاں سے دیا جاتا۔ نا
دو کشتی کہ ہر ایک سو من تقریباً بار لے جاسکے کرایہ کیں۔ اس پر بھی ایک کشتی دو سو پچیس
روپیہ کو۔ اور ایک دوسری دو سو ساٹھ کو۔ ہر چند کہ یہ کرایہ متوسط کشتی کا نہایت گرا
ہے مگر کیا کیا جائے۔ اور چھپر بندی میں اس قدر دھوکہ اور خسارہ ہوا کہ کچھ کہا نہیں
کہ ایک کشتی کے چھپروں کا تیئیس (۲۳) روپیہ آٹھ آنہ دیے گئے۔ خیر الخیر فی
وقع۔ غرض دونوں کشتی اور دونوں کے چھپر پانسو تریسٹھ روپیہ میں تیار ہوئے
اور قافلہ کے ۴۶ آدمی تھے بارہ بارہ روپیہ دو دو آنہ اور چند پائی فی نفر پڑی۔ ا
جو کچھ ہو سو ہوا۔

(عبارت مٹ گئی) دس روز قیام فیروز پور میں رہا۔ اس شہر کو نہایت بد معاملہ پایا۔ بعد دس روز کے گاڑی چھکڑہ کرایہ کر کے یک شنبہ ۲۹ تاریخ کو گھاٹ گندھو پر پہنچے اور دو شنبہ یکم تاریخ بعد ظہر روانہ ہوئے۔ اور چھ سات کوس پر قیام کیا۔ اگلے روز سارے دن چلے تیسرے روز آخر شب میں بارش اور ہوا رہی۔ اور بعد دن چڑھنے کے ہوا بند ہو گئی۔ مگر میر بحر کو تلاش ملاح کی تھی اس واسطے توقف رہا۔ غرض قریب عصر کے چلے اور مغرب تک تین چار کوس چل کر قیام کیا پھر چوتھے روز اول وقت عصر کے ہوا مخالف چلی۔ وہاں قیام رہا۔ پانچویں روز جمعہ کو بھی وقت عصر کے کچھ حرج رہا کہ کھونٹا کشتی کا ٹوٹ گیا تھا۔ غرض پانی دریا میں بہت کم ہے کہ اکثر جا کشتی ریگ پر ٹھہر جاتی ہے۔ آج ششم تاریخ (جمادی الاخری ۲۹ نومبر) روز شنبہ اور چھٹی منزل ہے۔ اگر حق تعالیٰ چاہتا ہے جلد کوٹلی پہونچیں گے ورنہ جو کچھ رضا اس کی ہے اس پر تسلیم ہے عنایاتِ الٰہی سے ہر طرح خوش ہوں۔ اگرچہ سفر میں تکلیف ہوتی ہے۔ مگر کچھ تکلیف نہیں۔ اس خط کے مضمون سے جو کچھ شکایات سمجھی جاتی ہیں۔ شکایات حال نہیں بلکہ حسب وعدہ حکایت واقعہ ہے۔ ورنہ اگر اپنے آپ کو دیکھوں اور اس راہ کو خیال کروں تو میری زبان نہیں کہ شکر ادا کروں۔

اور یہ خط دریا میں پہر دن چڑھے لکھا ہے تا جب کوئی ڈاک خانہ ملے روانہ کیا جاوے تم خط سکھر پر روانہ کیجیو تا تمہاری خیریت معلوم ہو۔

اور مولوی مظفر حسین صاحبؒ کو سلام مسنون نہایت شوق سے عرض کیجو، اور دعا خیریت خاتمہ چاہیو۔ دل میں شوق زیارت کا رہ گیا۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ بخدمت مولوی نور الحسنؒ صاحب کے اور میر رستم علی صاحب و مولوی مخدومؒ صاحب اور الٰہی بخشؒ

حافظ عبد اللہ وغیرہ جو عنایت فرما ہیں سب کو سلام عرض کر دیجئو - اور مولوی صاحب

کی خدمت میں حکیم ضیاء الدین اور حافظ وحید الدین اور عبد الرحمٰن اور حافظ یوسف

حافظ احمد اور حسام الدین اور حسن محمد سب سلام مسنون عرض کرتے ہیں اور تم کو بھی سلام

کہتے ہیں -

آج ہم گھاٹ پاک پٹن شریف پر پہونچے کل مقام ہوگا اور زیارت حضرت

سے مشرف ہو کر پرسوں روانہ ہو دیں گے انشاء اللہ تعالیٰ -

(حاشیہ) دو کشتی میں بیٹھنے کو جائے بہت ہے مگر سب کشتی کے اندر سو نہیں

سکتے - چھ آدمی فراغت سے ایک مردانہ چھپر میں پڑتے ہیں - اور آٹھ تنگی سے اور باقی

چار پانچ آدمی زمین پر پڑتے ہیں -

مکتوب دوم (۲)

مشفق و مہربان بندہ حافظ اللہ دیہ صاحب دام شوقہ باللہ تعالیٰ

از احقر الناس رشید احمد عفی عنہ بعد سلام مسنون ، مشہود آنکہ بیخم رجب چار گھڑی

روز بر آئیدہ بمقام سکھر رسیدیم وخط آنمہربان قریب دوپہر شنبھے رسانید بسبب آنکہ

آں روز نہایت فرصت قلیل بود از جوابش مقصر ماند ، ششم از سکھر روانہ شدہ امروز

۷ ار رجب بمقام کوری کہ کرایہ کشتی تا ہمیں جا بود قریب دوپہر رسیدیم واز سکھر تا اینجا اکثر

باد تندمی ورزید - یک مقام ہم بموضع سواں کہ مزار شہباز قلندر آنجاست واقع شد

مگر ڈاک خانہ بجز اینجا نہ بود کہ جواب نیشتمی المرام ، شکر حق تعالیٰ می کنم کہ محض باحسان

خود این مشت خاک را تا اینجا رسانید شکر این عطیہ نمی توانم کرد -

آنچہ از طمانیت قلب در ذکر نگاشتہ اند خیلے فرحت اندوختم حق تعالی ترقی کنند نزد این نحیف سکون وطمانیت از ہزار کرامت خوشتر است وآنچہ از حدوث سہ عوارض بستہ اند پس این ہر سہ مرض را باستغفار دفع کنند، وخود را محض ناکارہ فہمیدہ باشند ونظر بر فضل الہی دارند انشاء اللہ ہیچ مضرت نخواہد شد، وبکار خود مشغول باشند وچوں رمضان قریب است بالفعل دور قرآن شریف فرمایند از اں بعد ترجمہ قرآن شریف مستحسن می نمایند ومثنوی شریف ہم عمدہ نعمت است مگر ترجمہ قرآنی شریف را برائے شما ترجیح می دہم۔ پس بعد رمضان مبارک ترجمہ شروع سازند۔

وفردا ۱۸۔ روز جمعہ قیام است۔ پس فردا انشاء اللہ روانہ خواہم شد۔ اگر خدا تعالی خواست از کراچی یک خط خواہم بنشت فقط۔

از حکیم ضیاء الدین ودیگر جملہ اہل قافلہ سلام خواہند از بندہ وحکیم صاحب ومیاں عبد الحق وعبد الرحمن وغیرہ جملہ مردمان قافلہ مولوی مظفر حسین صاحب ومولوی نور الحسن را سلام می گویند وسلام بندہ جملہ احباب را فرمایند۔

ترجمہ

میرے مشفق ومہربان۔ احقر رشید احمد کی جانب سے بعد سلام مسنون معلوم ہو کر پانچ رجب (۹ ۱۲۷ھ، ۵ر دسمبر ۱۸۶۲ء) کو علی الصباح (ہم سب) سکھر پہونچے۔ دوپہر کے قریب ایک شخص نے تمہارا خط لاکر دیا۔ چونکہ اس دن فرصت بہت کم تھی۔ اس لئے فوراً جواب نہ لکھ سکا۔ ۶ر تاریخ کو سکھر سے روانہ ہو کر آج ۱۷ر رجب (۸ر جنوری ۱۸۶۳ء) کو دوپہر کے قریب کوٹری پہونچے۔ کشتی یہیں تک کرایہ کی تھی۔ سکھر سے یہاں تک اکثر تند وتیز ہوائیں چلتی رہیں۔ راستہ میں ایک جگہ اور قیام ہوا تھا۔

سیوان میں جہاں شیخ شہباز[۲۱] قلندر کا مزار ہے۔ مگر یہاں کے علاوہ کہیں اور ڈاک خانہ نہیں تھا کہ جواب لکھ کر ڈال دیتا۔ حق تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے اپنے احسان سے اس مشتِ خاک کو یہاں تک پہونچایا۔ اس عطیہ کا شکر ادا نہیں ہو سکتا۔ (تم نے) جو کچھ ذکر میں طمانیت قلب کے متعلق لکھا اس سے مجھے بہت مسرت ہوئی حق تعالیٰ اس میں ترقی عطا فرمائے۔ اس فقیر کی رائے میں سکون و طمانیت ہزار کرامتوں سے بہتر ہے اور جو کچھ تم نے تین عوارضات کے متعلق لکھا ہے۔ ان تینوں کو استغفار کے ذریعہ دور کرو اور خود کو ناکارہ محض خیال کرو اور فضل الٰہی پر نظر رکھو۔ انشاء اللہ کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ اور رمضان مبارک قریب ہے اس میں قرآن شریف کا دور اہتمام سے کریں رمضان کے بعد ترجمہ قرآن شریف زیادہ بہتر ہے اور مثنوی شریف بھی عمدہ نعمت ہے مگر تمہارے لئے ترجمہ قرآن کو ترجیح دیتا ہوں اس لئے رمضان کے بعد ترجمہ قرآن شروع کردیں۔

کل ۱۸- روز جمعہ میں قیام ہے۔ انشاء اللہ پرسوں روانہ ہوں گے۔ حق تعالیٰ کو منظور ہوا تو کراچی سے بھی ایک خط لکھوں گا۔

حکیم ضیاء الدین[۲۲] اور جملہ اہلِ قافلہ سلام کہتے ہیں نیز بندہ اور حکیم صاحب اور میاں عبدالحق[۲۳] و عبدالرحمن[۲۴] وغیرہ قافلہ کے تمام افراد مولوی مظفر حسین[۲۵] صاحب اور مولوی نورالحسن[۲۶] کو سلام کہتے ہیں۔ جملہ احباب سے بندہ کا بھی سلام کہدیں۔

مکتوب سوم (۳)

از بندہ رشید احمد بخدمت پیر جیو احمد حسین دام اشفاقہٗ بعد سلام مسنون مشہود آنکہ جواب خط سامی از سکھر روانہ کردہ شد از آنجا روانہ شدہ ۷ اور در کوٹری

حیدرآباد رسیدہ کہ کرایہ کشتی تا ہمانجا بود رسیدیم - روز جمعہ در آنجا بودہ شب شنبہ
بعد ۹ گھنٹہ تواختہ شب در ریل سوار شدہ قریب طلوع آفتاب روز شنبہ تنہا شب در
کراچی کہ قریب صد کردہ از کوٹری بود رسیدیم، فی کس عیصہ کرایہ ریل دادیم - و دربار
اسباب واجناس فی من ۸ر کرایہ دادہ شد، از کراچی مراکب بمسقط می روند وایں راہ دشوار
است وپر تکلیف و بعدن آنگاہ می برند کہ کسے تمام مرکب را بکرایہ گیرد کرایہ کم از یک ہزار
و پانصد نمی شود - ازیں سبب از ہر دو، راہ اعراض کردہ قصد بمبئی داریم -

امروز ۲۲ر رجب در سہ شنبہ کہ چار روز در کراچی شد کرایہ بغلہ روندہ بمبئی نشد،
ہر گاہ قرار دادی شود قصد آنجا خواہد شد غالباً پنج شش روز دیگر اینجا گذرد ، باقی
سابق تحریر شد کہ ازیں راہ خشکی ارجح وانسب است ورنہ ہر چہ می آید می گذرد - و تکلیف
دریں راہ، ہم نیست مگر خرچ بسیار است وآخر کار مرجع بر بمبئی می شود - بمبئی از اینجا
پانصد کردہ وراہ دریا پنج شش روز یا زیادہ طے راہ می شود، باقی خیر در اینجا بہمہ وجوہ
خیریت است -

محمد احسن ومحمد حسن وامیر احمد ووالدہ صاحبہ خود را و ہمہ اہل خود را سلام ودعا فرمایند و
دیگر احباب ...... ہر کہ یادگار بود، درجہ بدرجہ ومنبر دار میاں محمد حسن صاحب وغیرہ آں سلام
برسانند - ابو النصر حکیم ضیاء الدین ہمہ سلام می گویند حافظ محمد صاحب، ممانی صاحبہ خود را
و محمد امیر وغیرہ را سلام ودعا می رسانند -

ترجمہ

بندہ رشید احمد کی جانب سے بخدمت میر جی احمد حسین[۲۷] صاحب بعد سلام مسنون!
واضح ہو کہ آپ کے خط کا جواب سکھر سے روانہ کر دیا تھا (ہم سب) سکھر سے روانہ ہو کر

۱۷ کو کوٹری حیدر آباد پہونچے کشتی دو ہی تک کرایہ کی تھی۔ جمعہ کے دن وہاں قیام کرکے شنبہ کی رات میں تقریباً ۹ بجے ریل میں سوار ہوئے اور پوری رات کے سفر کے بعد طلوع آفتاب کے وقت کراچی پہونچے جو کوٹری سے تقریباً سو کوس ہے فی کس دو روپے ساڑھے نو آنہ ریل کا کرایہ دیا۔ اور سامان کے لئے فی من ۸ آنہ دیئے گئے۔ کراچی سے مسقط بھی جاتے ہیں۔ یہ راستہ بہت مشکل اور تکلیف دہ ہے۔ اور کبھی عدن سے بھی جاتے ہیں اس کے لئے اگر کوئی پوری کشتی کرایہ پر لے تو ہزار پانسو روپیہ سے کم کرایہ پر نہیں ملتی۔ اسلئے دونوں راستوں سے بچ کر بمبئی کا ارادہ کر رہے ہیں۔

آج ۲۲ رجب سہ شنبہ (۱۳ جنوری ۱۸۶۳ء) کو کراچی میں چار دن ہو گئے ابتک بمبئی جانے والا کوئی بغلہ کرایہ پر نہ مل سکا۔ جب بھی مل جائے گا وہاں کا قصد کریں گے پانچ چھ روز غالباً اور یہیں گذریں گے۔ باقی پہلے لکھ چکا ہوں کہ اس راستے سے خشکی کا راستہ زیادہ مناسب ہے ورنہ جو کچھ ہوگا دیکھا جائے گا۔ اس راستہ میں کوئی تکلیف تو نہیں لیکن خرچ بہت ہوتا ہے آخر بمبئی آنا ہوتا ہے۔ بمبئی یہاں سے پانسو کوس ہے دریا کی راہ سے پانچ چھ دن یا اس سے زیادہ میں مسافت طے ہوتی ہے باقی خیریت ہے۔ یہاں ہر طرح سے خیریت ہے۔

محمد احسن محمد حسن امیر احمد[۲۸] اپنی والدہ صاحبہ اور اپنے تمام اعزہ سے سلام و دعا فرمائیں احباب میں برسان حال سے درجہ بدرجہ سلام کہدیں۔ نمبردار میاں محمد حسن صاحب وغیرہ سلام کہتے۔ ابو النصر[۲۹] حکیم ضیاء الدین[۳۰] سب سلام کہتے ہیں۔ اور اپنی ممانی صاحبہ اور محمد امیر[۳۱] وغیرہ کو سلام و دعا پہنچادیں۔

مکتوب چہارم (۴)

مشفق مہربانم حافظ اللہ دیا سلامت!

از رشید احمد عفی عنہ، بعد سلام مسنون واضح باد۔ بتاریخ ۱۰ صفر از جدہ روانہ شدہ بعد قیام یازدہ یوم در اثنائے راہ در مدین و مخہ بتاریخ ۲۵ ربیع الاول یوم پنجشنبہ بر بندر بمبئی و بیوم جمعہ در شہر رسیدہ و خط آں صاحب از مولوی صاحب مولوی عنایت اللہ موصول شد و خیریت آنجا دریافت الحمد للہ کہ حضرت قطب عالم در مکہ طیبہ خوش و خرم اند و بس۔ و بتاریخ ۱۶ ربیع الاول ۱۲۸۰ھ شیخ لطف علی نانوتوی از قضائے الٰہی فوت شد و باقی جملہ قافلہ بخیریت است و راقم را از عرصہ دوازدہ یوم بخار می آید و بسبب شدت درد سر خط از قلم عزیزی ابو النصر نگاشتہ روانہ نمود۔

بخدمت جناب مولوی مظفر حسین صاحب و مولوی نور الحسن صاحب و قاضی محمود احمد سلام مسنون۔ از بندہ ابو النصر عفی اللہ عنہ۔ بمکتوب الیہم و اشار الیہم سلام مسنون برسد۔

راقم رشید احمد عفی اللہ عنہ بقلم ابو النصر

ترجمہ

مشفق مہربان حافظ اللہ دیہ صاحب سلمہٗ رشید احمد کی جانب سے بعد سلام مسنون واضح ہو کہ ۱۰ صفر (۱۲۸۰ھ م ۳ اگست ۱۸۶۳ء) کو جدہ سے روانہ ہوئے درمیان میں بارہ دن مدین اور مخہ میں قیام کے بعد ۲۵ ربیع الاول (۱۰ ستمبر) یوم پنجشنبہ بمبئی کی بندرگاہ پر اور جمعہ کے روز شہر میں پہونچے۔ آپ کا خط مولوی عنایت اللہ صاحب[۳۲] سے ملا جس میں وہاں کی خیریت دریافت کی تھی الحمد للہ حضرت قطب عالم مکہ مکرمہ میں

بخیر ہیں - اور بس -

مورخہ ۱۶ ربیع الاول ۱۲۸۰ (یکم ستمبر) کو شیخ لطف علی نانوتوی کا انتقال ہوگیا -
باقی سب اہلِ قافلہ بخیر ہیں - مجھے ۱۲ روز سے بخار آرہا ہے اور دردِ سر کی شدت کی وجہ سے
خط بھی عزیز ابوالنصر سے لکھوا کر بھیج رہا ہوں -

جناب مولوی مظفر حسین[رحمۃ اللہ علیہ] و مولوی نور الحسن صاحب[رحمۃ اللہ علیہ] اور قاضی محمد احمد[رحمۃ اللہ علیہ] کی خدمت میں
سلام مسنون کہدیں - بندہ ابوالنصر کی جانب سے آپ کو اور ان سب حضرات کو سلام
مسنون پہونچے -

مکتوب پنجم (۵)

برادرم حافظ اللہ دیا صاحب بعد سلام مسنون مطالعہ فرمایند نامۂ شما رسید
موجب پریشانی گردد، چو پریشانی یاراں ہمہ را میرسید حق تعالیٰ شما را حافظ باد - آنچہ پرسیدہ
اند اگر جواب اہل اللہ گویم اینست کہ ہمہ را گزارید حق تعالیٰ مددگار است آنچہ حق شما
نزد کسے شد اگر دہد بہتر ورنہ صبر کنید و آنچہ حق دیگر نزد شما است او را بحق داراں رسانید
زنہار زنہار نزد خود نہ دارید، و حقوق دیگراں کہ اجداد شما از دو سہ سال خود شما می خورد
چہ ضائقہ شد؟ اکنوں حقے شما ہم کسے دیگر ایں را کفارہ آں دانید - لیکن زنہار حیادار
نشو و کہ مال و حق کسے بر شما ماند، روز قیامت حق تعالیٰ از حقوق خود و جملہ گناہان مغفرت
کرد مگر در حقوق العباد انصاف خواہد شد - در حدیث است اگر کسے ترک مخاصمت کند و ما
خود را نزد دیگر بگزارد برائے او حق تعالیٰ در جنت مکانے خواہد داد - پس بر شما باد کہ بالکل
ترک قصہ سازید، در حق و ہم در ناحق حق تعالیٰ رزاق است - آخر آنا کہ ملک نہ دارند می خورند
تجارت و نوکری می کنند معاملہ دنیا . . . . . چند روزہ است ہرچہ گذرد گزرد دین از دست

نہ رود۔ دین باشد دیگر ہر چہ باشد نہ باشد۔

واگر جواب حسب شریعت گوئیم پس این ست کہ چوں معیشت ظاہر شما است پس در آنچہ حق شما است مخاصمۃ مضائقہ ندارد لیکن اگر دانید کہ در حق مخاصمۃ نمی توانید و در مخاصمۃ حق ظلم بر دیگراں است ترک سازید۔ مگر دانم کہ در مخاصمۃ کچہری انگریزی بدون کذب و افترا کار نہ برآید۔ پس آنچہ رائے بہرہ است می گوئیم کہ اگر کار بصدق و دیانت برآید قلیل و کثیر ہر چہ باشد از حقوق خود برآوردن مضائقہ نیست اگر بچناں فراغت نیست پس بر خدا تعالیٰ گذاشتہ صبر کنید و ہمہ امور را باو گزارید، اور کار پرداز بندگان خود است و نفس را بآیات قرآنی صبر دہانید ہر چہ دانم کہ دریں باب منازعۃ بسیار خواہد کرد۔ مگر آن برادر از فضل الٰہی از مردان خدا تعالیٰ اند جواب نفس خواہند کرد۔ ایں نالائق ہم برائے شما دعا می کند کہ دعائے من در باب شما قبول افتد۔ خط مورخہ ۸ ربیع الثانی آمدہ بود لشما ہم حضرت سلمہٗ سلام علیک نوشتہ بودند۔

ترجمہ

برادرم حافظ اللہ دیا صاحب بعد سلام مسنون معلوم ہو کہ تمہارا خط پہونچ کر باعث پریشانی ہوا۔ کیونکہ دوستوں کی پریشانی سے سب کو پریشانی ہوتی ہے (دعا ہے کہ) خدا تعالیٰ تمہارا محافظ ہو۔ تم نے جو کچھ پوچھا ہے اس کے بارہ میں اگر اہل اللہ کا جواب دوں تو یہ ہے کہ سب چھوڑ دو حق تعالیٰ مددگار ہے تمہارا جو حق کسی پر ہو وہ اگر دیدے تو اچھا ہے ورنہ صبر کرو۔ اور جو دوسروں کے حقوق تم پر ہیں ان کو حق داروں کو پہونچا دو۔ ہرگز ہرگز اپنے پاس نہ رکھو اور دوسروں کے حقوق جو

تمہارے اجداد اور دو تین سال سے تم خود کھا رہے ہو۔ اس میں کیا حرج ہے کیونکہ
تمہارے بھی ان لوگوں پر حقوق ہیں اس کو ان کا کفارہ سمجھو لیکن ایسا ہرگز نہ ہو کہ کسی کا مال
یا حق تم پر رہ جائے۔ قیامت کے دن حق تعالیٰ اپنے حقوق اور تمام گناہوں کی مغفرت فرما
دے گا۔ مگر حقوق العباد میں (صاحبِ حق سے) انصاف ہو گا۔ حدیث پاک میں ہے
کہ اگر کوئی ترکِ مخاصمت کرے اور اپنا حق دوسروں پر اللہ کے لئے چھوڑ دے تو حق تعالیٰ
قیامت کے دن (اس کے بدلہ میں) جنت میں ایک مکان عطا فرمائیں گے اس لئے تمہیں
چاہیئے کہ اس قصہ کو بالکل ترک کر دو چاہے تم حق پر ہو یا ناحق پر، حق تعالیٰ رزاق ہے آخر
وہ لوگ بھی تو کھاتے ہیں جو کوئی اثاثہ نہیں رکھتے۔ تجارت اور نوکری کرتے ہیں۔ دنیا کا
معاملہ... چند روزہ ہے جس طرح گزار سکو گذار لو لیکن دین کو ہاتھ سے نہ جانے دو
دین محفوظ رہے۔ دوسری کوئی چیز ہو یا نہ ہو

اور اگر جواب شرعی دوں تو یہ ہے کہ چونکہ اس پر بظاہر تمہاری معاش کا مدار ہے
اس لئے جو تمہارا حق ہو اس کے لئے جھگڑنے میں بھی کوئی حرج نہیں لیکن اگر یہ معلوم
ہو کہ حق حاصل کرنے کی صورت میں دوسروں پر ظلم ہو گا تو اسے چھوڑ دو۔ مگر میں جانتا
ہوں کہ انگریزی کچہری تک معاملہ لے جانے میں بغیر کذب و افترا کے کام نہ بنے گا اس
لئے اس لئے (اپنی رائے) لکھتا ہوں کہ اگر صدق و دیانت سے یہ کام ہو سکے تو کم یا
زیادہ جو کچھ حاصل کر سکو اس میں کوئی حرج نہیں اگر اس طرح سے ممکن نہ ہو تو
خدا تعالیٰ پر چھوڑ کر صبر کرو۔ اور تمام کام اس کے سپرد کر دو وہ اپنے بندوں کا بہترین
کارساز ہے۔ اور دل کو آیاتِ قرآنی سے صبر دو اگرچہ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ نفس اس
میں بہت جھگڑے گا۔ مگر اے برادر! آپ خدا کے فضل سے مردانِ الٰہی میں ہو اپنے

نفس کو مطمئن کر دو گے یہ نالائق بھی تمہارے لئے دعا کرتا ہے کہ میری دعا تمہارے لئے قبول ہو۔ خط مورخہ ۸ ربیع الثانی آیا ہے۔ حضرت سلمہٗ نے تمہیں بھی سلام لکھا ہے۔

مکتوب ششم (۶)

برادرم حافظ اللہ دیہ دام شوقکم الی اللہ تعالیٰ۔

از بندہ رشید احمد عفی عنہٗ بعد سلام مسنون مطالعہ فرمایند بر خیریت خود و ہمہ اقارب و احباب خود شکر دارم و صحت آن برادر مطلوب (بعد سلام مسنون معلوم ہو کر اپنی اور تمام اعزہ اور دوستوں کی خیریت پر خدا کا شکر ادا کرتا ہوں اور تمہاری خیریت کا طالب ہوں)

تمہارے خط سے قصہ تمہارا معلوم ہوا۔ سوائے دعا کے چارہ اس بے چارہ کا نہیں۔ اکثر دعا کرتا ہوں اور خیال تمہارے اس رنج و تردد کا رہتا ہے۔ مگر مالک حقیقی تعالیٰ شانہٗ سے یوں توقع ہے کہ تم کو دین و دنیا میں بانصرت رکھے۔ اگرچہ اعدا و تمہاری فکر میں ہیں۔ دشمن اگر قوی است نگہبان قوی تر است (دشمن اگر قوی ہے تو نگہبان قوی تر ہے) وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ (جس نے اللہ پر بھروسہ کیا اللہ اس کے لئے کافی ہے) کچھ فکر نہیں تمہارا حامی ذات پاک احکم الحاکمین مالک الملک شہنشاہ تعالیٰ شانہٗ ہے درصورتیکہ تم کو یقین ہے کہ قربان بیگ بالکل ناحق پر ہیں۔ اس کا کچھ حصہ ہی نہیں اور ثالث لوگوں کی عادت ہے کہ کیسا بھی ناحق پر ہو اس کو چیز سے چیز دلاتے ہی ہیں۔ پھر کیونکر ثالثی درست ہو گی؟ ہاں! اگر خاص اپنے حصہ میں سے دیکر راضی کر دو تو کچھ مضائقہ نہیں یا مجموعہ سے

جو کچھ دیا جاوے اس کا جو کچھ حصہ یتیم اور صغیر کا ہے وہ مجرا نہ دیا جاوے۔ اور جو کچھ عاقل و بالغ مرد و زن کا ہو اس کو ان کی رضا سے لگا دیا جاوے تو کچھ ڈر نہیں۔ جو لوگ ہیں تمہاری ...... کے ان کو فہمائش کرو جو وہ سب بالغ جوان راضی ہو دیں تو ثالث کر لو پھر جو کچھ دیا جاوے حصہ میں سے ان بالغین کے ہو۔ حصہ یتیموں کا کامل ان کو دیا جاوے۔ ورنہ دیدہ و دانستہ جو تم جانتے ہو کہ ثالث دیتے ہی ہیں۔ اور دیویں گے ہی پھر تمہارے دینے اور ان کے دینے میں کچھ فرق نہیں تمہاری رضا سے انھوں نے دیا۔

تمہارا (خط) دسویں شوال کو آیا تھا اس قدر ہجوم کم فرصتی ہوا کہ امروز و فردا کرتے ، ارتاریخ آ گئی۔ مختصر جواب لکھتا ہوں اور مولوی منعم وکیل فریق ثانی کو اطلاع کر دوں گا کہ وکالت سے ان لوگوں کی انکار کر دیں۔ فقط۔ حافظ عبد الرحمٰن[۳۹] خوش ہیں سلام کہتے ہیں۔ پیر جیو محمد بخش حکیم محمد حسن ابو النصر وغیرہ سلام کہتے ہیں۔

مکتوب ہفتم (۷)

از بندہ رشید احمد عفی عنہ برادرم حافظ اللہ دیہ صاحب سلمہ بعد سلام مسنون ! مطالعہ فرمایند دو خط تمہارے پہونچے ایک تو نانوتہ مجھ کو ملا اوس کے جواب میں یہ تردد رہا کہ وہ خط میرے پاس اٹھائیسویں کو پہونچا۔ یہ جانا کہ مرافع کے خرخشے میں تم الہ آباد گئے ہوگے جواب میں دیر ہوئی دوسرا خط بھی پہونچا تو تمہارے سہارنپور دوبارہ جانے کا خدشہ رہا۔ لہذا اتامل رہا اب محض انتظار تمہاری فتح کی خبر سننے کا ہے۔ تعبیر خواب تمہارے کی یہی معلوم ہوتی ہے۔ اور آیت فال قرآن شریف بھی بہت صریح اس فتح کی خبر دیتی ہے۔

باقی فال کا مسئلہ؟ سو بطور دل خوش کرنے کے مضائقہ نہیں اور اگر تشبیہ اہل بدعت کا کہ فال نکالتے ہیں یا ہنود کا خیال کیا جائے تو البتہ موجب کراہت معلوم ہوتا ہے۔ اور شاید بعضے علماء نے اسی واسطے منع بھی لکھا ہے۔ لہٰذا احتیاط ترک میں ہے۔ کاندھلہ سے تھانہ بھون ایک منزل ہے اور تھانہ سے رامپور ایک منزل اور سہارنپور سے رامپور پوری منزل نہیں لہٰذا اس راہ میں قصر نہیں چاہیئے اور براہِ مظفر نگر قصر کرو اگرچہ ریل میں چلو کیونکہ وہ تین منزل کامل ہے۔ فقط۔ حافظ الٰہی بخش یہاں سے دہلی گئے تھے غالباً واپس آگئے ہوں گے بنظرِ جواب یہ نقرہ لکھا ہے۔ ورنہ اب حاجتِ جواب نہ تھی۔

مکتوب ہشتم (۸)

برادرم حافظ اللہ دیا صاحب دام شوقکم! از رشید احمد عفی عنہ بعد السلام علیکم ورحمۃ اللہ! آنکہ خط تمہارا آیا۔ تمنائے مطلوب وحسرتِ نایافت لکھی تھی نہایت فرحت حاصل ہوئی حق تعالیٰ شوق اور تمنا تمہاری زیادہ کرے اور مجھ کو بھی بھر تمنا کا عطا کرے برادر! کار بندہ کا یاد پروردگار ہے۔ اور عطیہ ہدیہ کا کارساز ہے اگر بعد ہزار سال مجاہدہ حسرت اور درد نایافت کا آدمی کو حاصل ہو تو واللہ طمانیتِ نایافت سے ہزار درجہ بہتر ہے کس سعادت مند کو یہ تمنا ملتی ہے۔ بعد بارہ روز کے جو کچھ احوال ہے کچھ عجب نہیں یہ کمی حال سے نہیں بلکہ الفت تجلی ہے۔ تا وقتِ ملاقات اس شغل میں رہو۔ اب کی دفعہ انشاء اللہ تعالیٰ زبانی خود کہوں گا۔ میرا ارادہ پانچ چار روز میں نانوتہ کا ہے اور رامپور بھی جانا ہوگا جب وہاں سے عود کروں گا تم کو اطلاع دوں گا۔ اور یہ شعر سعدی کا مد نظر رکھو ؎

سعدی بجفا ترکِ محبت نتواں کرد   بر در بنشینیم چو از خانہ براند

(سعدی! دوستوں کی بے وفائی کی وجہ سے ان سے ترکِ محبت نہ کرنی چاہیئے۔

اگر دوست اپنے گھر سے اٹھا دے تو اس کی دہلیز پر بیٹھ جاؤ!) اور عدم ورود حال کا کچھ غم نہ کرو کیا خوش ہے کہ نام مالک کا زبان پر رہے۔ بخدا! کہ توفیقِ ذکر ایسی بڑی کرامت ہے کہ ہزار مکاشفہ اور لاکھ خرق عادت اس کے برابر نہیں۔ مشائخ کرام اتفاق رکھتے ہیں کہ ذکر منشور ولایت است ہر کہ را ذاکر دانند نامۂ ولایت باد سپردند واز ہر کہ ذکر گرفتند حکم نامۂ ولایت ازو سلب کردند (ذکر منشورِ ولایت ہے اولیاء اللہ جس کو ذاکر جانتے ہیں اسے خلافت نامہ دیدیتے ہیں اور جس کو دیکھتے ہیں کہ اس نے ذکر چھوڑ دیا اس سے خلافت نامہ واپس لیلیتے ہیں) لینے اور دو خواب جو تم نے لکھے ہیں وہ دونوں بشارت حصولِ نسبت دیتے ہیں۔ مبارک باد، ہل من مزید باد! والسلام۔

چہ خوش بود کہ از مناقشہ وتنازعہ بشما فراغت شود چرا کہ در خواب قول کنجشک کہ اکنوں وقت نوم است صبح نزد تو خواہم رسید اشارہ ہمیں است کہ نوام وقتِ غفلت است وصباح وقتِ فراغت وتیقظ۔ فقط۔

(کیا اچھا ہوا کہ تمہیں اس تنازعہ سے فراغت ہو گئی۔ خواب میں چڑیا کا یہ کہنا کہ یہ سونے کا وقت ہے میں صبح کو تیرے پاس پہونچوں گی اسی کی طرف اشارہ ہے کہ رات سونے اور غفلت کا وقت ہے اور صبح بیداری اور ہوشیاری کا)

بخدمت مولوی مظفر حسین صاحب ومولوی نور الحسن صاحب ومولوی عبد الرزاق وحافظ عبد الرزاق ودیگر ہر کہ مناسب داند سلام علیک باد (ان کے علاوہ اور جسے مناسب سمجھو سلام کہدینا۔)

حواشی

حواشی

لہ حافظ اللہ دیا بیگ کاندھلوی۔ پاکیزہ سیرت اور صاحب نسبت بزرگ تھے۔ حافظ صاحب موصوف کے نام حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کے گرامی نامہ (مورخہ ۱۳ ذی الحجہ ۱۲۸۶ھ) سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حاجی صاحب سے بیعت کا تعلق رکھتے تھے حاجی صاحب کی وفات کے بعد محدث گنگوہی سے رجوع ہوئے محدث گنگوہی سے بہت قریبی اور محبانہ تعلقات تھے۔ آخر میں محدث گنگوہی کے مجاز بھی ہوگئے تھے۔ اس کے اشارات پیش نظر خطوط میں بھی ملتے ہیں۔ سنہ وفات اور مفصل حالات معلوم نہیں۔

لہ کاندھلہ میں عبداللہ نامی کئی اشخاص ہوئے ہیں (۱) حافظ عبداللہ بن حافظ صابر بخش (تحریک جہاد حضرت سید احمد شہید کے سرگرم رکن اور جنگ بالاکوٹ کے شریک یہ تو یقیناً مراد نہیں کیونکہ ان کا وصال ۱۲۵۷ھ ۱۸۴۸ء میں ہوچکا تھا (۲) مولانا عبداللہ خاں کاندھلوی تلمیذ رشید حضرت مفتی الٰہی بخش ان کا امکان کذب میں مولانا فضل حق خیرآبادی سے سہارن پور میں مناظرہ ہوا جس کے نتیجہ میں بقول امیر شاہ خاں خورجوی "مولانا خیرآبادی کو بھرے مجمع میں الزام ہوگیا" (ارواح ثلٰثہ ص ۷۴) (۳) مولوی عبداللہ رئیس یہ بھی مفتی صاحب کے شاگرد ہیں ان کا تقویۃ الایمان کے سلسلے میں مولانا وجیہہ الدین سہارن پوری سے مناظرہ ہوا تھا اس کے بعد مولانا وجیہہ الدین نے شاہ اسماعیل شہید کی مخالفت ترک کردی تھی اور ان کے ہمنوا ہوگئے تھے (ارواح ثلٰثہ ص ۷۷) مولوی ضیاء الحسن محمد صادق (خلف اکبر مولانا نورالحسنؒ) کی

ڈائری میں بھی ایک جگہ حافظ عبداللہ کا ذکر ملتا ہے اس سے ان دونوں صاحبان میں سے کوئی مراد ہیں یا کوئی تیسرے حافظ عبداللہ تھے۔ مولانا رحمت اللہ کیرانوی کے خدام اور شاگردوں میں بھی ایک مولوی عبداللہ نامی شخص تھے جو بعد میں مہتمم کتب خانہ مدرسہ صولتیہ مقرر ہوئے ایک مجاہد معمار از مولانا محمد سلیم عثمانی ص ۴۵ یہ مذکورہ بالا شخصیتوں میں سے کوئی مراد ہیں یا ان کے علاوہ کوئی اور بزرگ تھے کسی ذریعہ سے تحقیق نہیں ہو سکی۔

سے حافظ مرزا الٰہی بخش مغلیہ شاہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے، ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں کاندھلہ آ گئے تھے۔ کاندھلہ آکر آخون جی کی مسجد میں قیام کیا جو بہت مختصر اور تنگ تھی۔ کچھ دنوں کے بعد اپنے ہاتھوں سے اینٹیں تھاپ کر اس مسجد کی از سر نو تعمیر کی۔ مرزا الٰہی بخش حاجی صاحب کے متوسلین خاص میں شمار ہوتے تھے۔ حج بیت اللہ کی سعادت بھی پائی حاجی صاحب مکہ مکرمہ سے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔

" ونیز مجموعہ ارشاد الطالبین کہ فارغ	" اور مجموعہ ارشاد الطالبین وغیرہ
بود بدست حافظ الٰہی بخش دہلوی و کریم	جو فارغ تھا حافظ الٰہی بخش دہلوی اور
بخش سہارنپوری کہ حامل رقعہ اند فرستادہ	کریم بخش سہارن پوری حامل تحریر
ام از رسید ہم مطلع نمایند مکتوب بست و	کے ذریعہ بھیجا ہے اس کی رسید سے بھی
ہشتم۔ امداد المشتاق ص ۸۲ مطبوعہ	مطلع کریں "

مکتبہ تالیفات اشرفیہ تھانہ بھون "

حافظ صاحب نے ساری عمر قرآن پاک کی تعلیم و تعلم میں گذاری۔ میرے دادے مولانا رؤف الحسن صاحب کاندھلوی نے قرآن شریف انہیں سے پڑھا تھا حافظ صاحب نے طویل عمر پا کر کاندھلہ میں وفات پائی۔ وفات غالباً ۱۳۰۰ھ میں ہوئی۔

حواشی

لہ حافظ اللہ دیا بیگ کاندھلوی۔ پاکیزہ سیرت اور صاحب نسبت بزرگ تھے۔ حافظ صاحب موصوف کے نام حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کے گرامی نامہ (مورخہ ۱۳ ذی الحجہ ۱۲۸۶ھ) سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حاجی صاحب سے بیعت کا تعلق رکھتے تھے حاجی صاحب کی وفات کے بعد محدث گنگوہی سے رجوع ہوئے محدث گنگوہی سے بہت قریبی اور محبانہ تعلقات تھے۔ آخر میں محدث گنگوہی کے مجاز بھی ہو گئے تھے۔ اس کے اشارات پیش نظر خطوط میں بھی ملتے ہیں۔ سنہ وفات اور مفصل حالات معلوم نہیں۔

ٹہ کاندھلہ میں عبداللہ نامی کئی اشخاص ہوئے ہیں (۱) حافظ عبداللہ بن حافظ صابر بخش (تحریک جہاد حضرت سید احمد شہید کے سرگرم رکن اور جنگ بالاکوٹ کے شریک یہ تو یقیناً مراد نہیں کیونکہ ان کا وصال ۱۲۵۷ھ ۱۸۴۱ء میں ہو چکا تھا (۲) مولانا عبداللہ خاں کاندھلوی تلمیذ رشید حضرت مفتی الٰہی بخش ان کا امکان کذب میں مولانا فضل حق خیر آبادی سے سہارن پور میں مناظرہ ہوا جس کے نتیجہ میں بقول امیر شاہ خاں خورجوی "مولانا خیر آبادی کو بھرے مجمع میں الزام ہو گیا" (ارواح ثلثہ ص ۷۴) (۳) مولوی عبداللہ رئیس یہ بھی مفتی صاحب کے شاگرد ہیں ان کا تقویۃ الایمان کے سلسلے میں مولانا وجیہ الدین سہارن پوری سے مناظرہ ہوا تھا اس کے بعد مولانا وجیہ الدین نے شاہ اسماعیل شہید کی مخالفت ترک کر دی تھی اور ان کے ہمنوا ہو گئے تھے (ارواح ثلثہ ص ۷۷) مولوی ضیاء الحسن محمد صادق (خلف اکبر مولانا نور الحسنؒ) کی

ڈائری میں بھی ایک جگہ حافظ عبداللہ کا ذکر ملتا ہے اس سے ان دونوں صاحبان میں سے کوئی مراد ہیں یا کوئی تیسرے حافظ عبداللہ تھے۔ مولانا رحمت اللہ کیرانوی کے خدام اور شاگردوں میں بھی ایک مولوی عبداللہ نامی شخص تھے جو بعد میں مہتمم کتب خانہ مدرسہ صولتیہ مقرر ہوئے ایک مجاہد معمار از مولانا محمد سلیم عثمانی ص ۴۰ یہاں مذکورہ بالا شخصیتوں میں سے کوئی مراد ہیں یا ان کے علاوہ کوئی اور بزرگ تھے کسی ذریعہ سے تحقیق نہیں ہو سکی۔

۵۵ حافظ مرزا الٰہی بخش مغلیہ شاہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں کاندھلہ آ گئے تھے۔ کاندھلہ آکر آخون جی کی مسجد میں قیام کیا جو بہت مختصر اور تنگ تھی۔ کچھ دنوں کے بعد اپنے ہاتھوں سے اینٹیں تھاپ کر اس مسجد کی از سر نو تعمیر کی۔ مرزا الٰہی بخش حاجی صاحب کے متوسلین خاص میں شمار ہوتے تھے۔ حج بیت اللہ کی سعادت بھی پائی حاجی صاحب مکہ مکرمہ سے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔

"و نیز مجموعہ ارشاد الطالبین کہ فارغ بود بدست حافظ الٰہی بخش دہلوی و کریم بخش سہارنپوری کہ حامل رقعہ اند فرستادہ شد از رسید ہم مطلع نمایند مکتوب بست و ہشتم۔ امداد المشتاق ص ۴۲ ۔ مطبوعہ مکتبہ تالیفات اشرفیہ تھانہ بھون"	"اور مجموعہ ارشاد الطالبین وغیرہ جو فارغ تھا حافظ الٰہی بخش دہلوی اور کریم بخش سہارنپوری حامل تحریر کے ذریعہ بھیجا ہے اس کی رسید سے بھی مطلع کریں"

حافظ صاحب نے ساری عمر قرآن پاک کی تعلیم و تعلم میں گزاری۔ میرے دادے مولانا رؤف الحسن صاحب کاندھلوی نے قرآن شریف انہیں سے پڑھا تھا حافظ صاحب نے طویل عمر پاکر کاندھلہ میں وفات پائی۔ وفات غالباً ۱۳۰۰ھ میں ہوئی۔

مولانا محمد یعقوب نانوتوی ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں میاں الٰہی بخش مرحوم
کے انتقال سے رنج ہوا۔ اللہ تعالیٰ بخشے ہمارے پرانے یار تھے اللہ تعالیٰ جنت میں
مقام عالی نصیب کرے۔ (بیاض یعقوبی (مکتوب ۳۶۔ موصولہ ۱۰ر شعبان ۱۳۰۰ھ)
ص ۱۳۳۔ ان کی کشف و کرامات کے بہت سے قصے مشہور ہیں۔

سکہ منشی دوست علی (بن امام بخش بن محمد نعیم بن یار محمد) ان کے والد مولوی امام
بخش برناوہ (ضلع میرٹھ) کے رہنے والے تھے انھوں نے خاتم مثنوی مفتی الٰہی بخش کاندھلوی
متوفی ۱۲۴۵ھ (۱۸۲۹ء) سے تعلیم حاصل کی اور اپنے لڑکے (منشی) دوست علی کو بھی تعلیم
حاصل کرنے کے لئے مفتی صاحب کی خدمت میں بھیجا منشی دوست علی نے تکمیل تعلیم کے بعد
مفتی صاحب کی خدمت میں مستقل قیام کر لیا عبد الرحمن حیرت نے منشی دوست علی کو
"قدیم از باشندگان کاندھلہ" سفینۂ رحمانی ص۱۳ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱۸۸۴ء لکھا ہے
یہ صحیح نہیں منشی دوست علی حساب میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔ مفتی صاحب کی
وفات کے بعد فیروز پور پنجاب چلے گئے اور وہیں سرکاری منشی مقرر ہو گئے۔ تمام عمر اسی
ملازمت میں گزاری ۱۲۸۵ھ میں حج کی سعادت پائی اور بعالم کبر سنی ۱۶ر محرم ۱۲۹۷ھ
(۱۳ فروری ۱۸۷۶) کو فیروز پور میں انتقال ہوا۔ منشی دوست علی کے صاحبزادے
مولوی احسان الحق تھے جن کے صاحبزادے مولوی ڈپٹی مظہر الحق ام او کالج علی گڑھ
کے شہرت یافتہ اولڈ بوائے ہوئے۔ ڈپٹی مظہر الحق علی برادران خصوصاً مولانا شوکت علی
کے ... بے تکلف دوستوں میں تھے۔ آگرہ بلند شہر، الہ آباد وغیرہ میں ڈپٹی کلکٹر اور ضلع
مظفر نگر کے فرسٹ کلاس مجسٹریٹ رہے۔ انہوں نے کاندھلہ میں ۴ر ذی الحجہ ۱۳۵۶ھ۔
۴ر فروری ۱۹۳۸ء میں وفات پائی۔

نے روپیہ بھیجنا چاہا۔ مولوی صاحب نے کہا تمہاری تنخواہ کا روپیہ مسجد میں نہیں لگایا جا سکتا۔ سر سید نے رجسٹری کی آمدنی سے کئی سو روپیہ دہلی بھیجا۔"

حیات جاوید، ایڈیشن اول ص ۵۰۵ مطبوعہ پنجاب اکیڈمی لاہور ۱۹۵۸ء

ص ۸۳۱ مولانا مظفر حسین شاہ محمد اسحٰق اور شاہ محمد یعقوب کے خصوصی معتمد علیہ اشخاص میں تھے۔ ان دونوں حضرات نے مکہ معظمہ ہجرت کے وقت ہندستان میں جن علماء کو اپنا نائب مقرر کیا تھا ان میں سے ایک مولانا مظفر حسین بھی ہیں دیکھئے شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک، از مولانا عبیداللہ سندھی، کتب خانہ پنجاب لاہور ص ۱۸۰۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے قائدین میں مولانا کا اہم مقام ہے۔ مولانا نے اس جنگ میں مجاہدانہ اور غیر معمولی خدمات انجام دیں۔ تفصیلات کا یہ موقعہ نہیں۔ افسوس اب تک مولانا کی خدمات اور کاندھلہ اور اس کے اطراف میں ۱۸۵۷ء کی سرگرمیوں پر کوئی کام نہیں ہوا۔

مولانا نے سات حج پا پیادہ کئے، آخری سفر حج میں جو ہجرت کی نیت سے ہوا تھا۔ ۱۰ محرم ۱۲۸۳ھ ۲۵ مئی ۱۸۶۶ء بروز جمعہ مدینہ منورہ میں انتقال ہوا اور جوار سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ میں دفن ہوئے۔

مولانا کے ہزارہا مریدین و متوسلین تھے ان میں سے متعدد حضرات کو خلافت سے سرفراز کیا۔ مولانا کے خلفا میں مولانا رفیع الدین دیوبندی متوفی ۱۳۰۹ھ مولانا محمد اسمٰعیل کاندھلوی متوفی ۱۳۱۵ھ مولانا محمد حسین فقیر دہلوی متوفی ۱۳۲۴ھ اور حافظ تفضل حسین صاحب بگھروی کا علم ہے۔

مولانا مظفر حسین کی عادت شریفہ تھی کہ تین چار دن کا کھانا لیکر قرب وجوار کے قصبات و دیہات میں جا کر مساجد میں قیام کرتے، لوگوں کو نماز اور دینی احکام سکھاتے اور اس کی ترغیب دیتے مولانا سے یہ چیز مولانا محمد اسمٰعیل کو ملی، اور مولانا محمد الیاس کے ذریعہ یہ طریقہ عام ہوا۔ آج تمام عالم میں "تبلیغی تحریک" کے نام سے یہ دینی جدوجہد جاری ہے۔

رد بدعات اور نکاح بیوگان کے موضوع پر "ردِ رسوم" کے نام سے مولانا کی ایک تالیف کا قلمی نسخہ مکتوبہ حضرت حافظ ضامن شہید ہمارے ذخیرہ کتب میں محفوظ ہے۔

نمبر ۵ مولانا نور الحسن (بن مولانا ابو الحسن بن مفتی الٰہی بخش قدس سرہ) کاندھلوی۔ ۲۶ ربیع الثانی ۱۲۲۷ھ ر ۹ مئی ۱۸۱۲ء کو کاندھلہ میں پیدائش ہوئی۔ عربی فارسی کی ابتدائی تعلیم والد بزرگوار اور دادے سے حاصل کی۔ مزید تعلیم کے لئے دہلی بھیجدیئے گئے۔ دلی کب جانا ہوا۔ اس کا علم نہیں۔ لیکن ۱۲۴۵ھ (۱۸۲۹ء) میں قیام تھا اور مدرسہ دہلی (دلی کالج) میں نور الانوار وغیرہ پڑھتے تھے ۱۲۵۶ھ (۱۸۴۰ء) تک دہلی قیام رہا۔ ایام تعلیم میں مولانا فضل حق خیرآبادی اور مفتی صدرالدین آزردہ کے شاگرد بھی مولانا سے پڑھتے رہے۔ تعلیم کے بعد آگرہ گورنمنٹ کالج میں عربی کے پروفیسر مقرر ہوئے چار سال کالج میں رہے پھر سکریٹری کالج کے متعصبانہ رویہ کی وجہ سے مستعفی ہوگئے۔ آگرہ سے آنے کے بعد نکوڑ (ضلع سہارنپور) میں قائم مقام تحصیلدار مقرر ہوئے بعد میں مستقل تحصیلدار ہوگئے تھے۔ پھر یہاں سے بھی مستعفی ہوگئے۔ آخر میں رنجیت سنگھ مہاراجہ الور نے مولانا کے فضل و کمال کا شہرہ سن کر اپنے دربار میں بلا لیا۔

الور کی ملازمت چھوڑنے کے بعد وطن میں قیام کیا اور یہیں درس و تدریس کا سلسلہ جاری رہا۔

مولانا کے تلامذہ کی طویل فہرست میں متعدد نامور علماء کے علاوہ سرسید کا نام خصوصیت سے قابلِ ذکر ہے۔ سرسید نے دہلی اور آگرہ میں مولانا سے تعلیم حاصل کی سرسید نے اپنی تالیفات جلاء القلوب بذکر المحبوب مطبوعہ ۱۸۴۲ء تحفہ حسن مطبوعہ ۱۸۴۴ء تسہیل فی جر ثقیل مطبوعہ آگرہ میں ۱۸۴۴ء میں مولانا کا ذکر بحیثیت استاد کیا ہے۔ مولانا کے حالات، اس سلسلہ میں مولف مشائخ کاندھلہ کی فروگذاشتوں اور مولانا سے سرسید کے تلمذ کی تفصیلات کے لئے دیکھئے راقم سطور کا مضمون "حیاتِ سرسید کا ایک گم شدہ ورق" ماہنامہ آجکل دہلی مئی ۱۹۷۵ء۔

حاشیہ ہدایہ اولین، حاشیہ دیوان متنبی، تاریخ ریاست الور صنعتِ اہمال (بے نقط الفاظ) میں انتخاب احادیث استبصار مولفہ مولانا آل حسن موہانی۔ رسالہ فرائض۔ مولانا کی علمی یادگاریں اور امیر شاہ خاں خورجوی کی روایت کے مطابق مأتہ مسائل (منسوب بہ شاہ محمد اسحٰق محدث دہلوی) بھی مولانا کی تالیف ہے (ارواحِ ثلثہ مرتبہ مولانا ظہور الحسن کسولوی، جدید ایڈیشن امداد الغربا سہارن پور ص ۱۱۶)

مولانا نے ۱۱ محرم ۱۲۸۵ھ (۵ مئی ۱۸۶۸ء) بروز سہ شنبہ وفات پائی۔ مفتی الٰہی بخش کے پائیں کاندھلہ میں دفن ہوئے۔

لے مولانا مخدوم بخش (بن بہرام بخش بن قادر بخش) کاندھلوی مفتی الٰہی بخش سے تعلیم حاصل کی، نہایت ذی علم اور وسیع المطالعہ بزرگ تھے۔ مولوی مخدوم بخش کی خاص عادت یہ تھی کہ جس کتاب کا مطالعہ کرتے اس میں جن مقامات پر سرور کائنات

صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی آتا اس کے حاشیہ پر صلی اللہ علیہ وسلم ضرور لکھتے اس سے قطع نظر کہ وہاں صلی اللہ علیہ وسلم لکھا ہوا ہے یا نہیں ہے۔ مولوی مخدوم بخش کے مطالعہ سے گذری ہوئی ہر کتاب میں یہ انفرادیت نظر آتی ہے۔ مولوی مخدوم بخش نے طویل عمر پائی۔ ۱۳۱۰ھ میں حیات تھے۔ تاریخ وفات معلوم نہیں۔ ان کے دو صاحبزادے تھے مولوی محمد یحییٰ اور مولوی محمد زکریا دونوں جید عالم اور ماہر طبیب تھے

۵۲ حافظ مرزا الٰہی بخش تعارف کے لئے دیکھئے حاشیہ ۵۳۔

۵۳ دیکھئے حاشیہ ۵۲۔

۵۴ حکیم ضیاء الدین بن غلام محی الدین رامپوری، ان کے جد امجد عہد اکبری میں سہارنپور آکر آباد ہوئے پھر رامپور آگئے تھے وہیں ۲۷ رمضان ۱۲۴۲ھ/۲۵ اپریل ۱۸۲۷ء میں حکیم ضیاء الدین کی پیدائش ہوئی۔ حکیم صاحب بلند پایہ عالم اور حاذق طبیب تھے ان کے محدث گنگوہی سے بچپن سے بہت دوستانہ اور بے تکلف روابط تھے، محدث گنگوہی ۱۸۵۷ء میں وارنٹ جاری ہوجانے پر گنگوہ سے رامپور آکر حکیم صاحب کے مکان میں روپوش ہوئے تھے وہیں سے حکیم احمد امیر بخش کی مخبری پر گرفتار ہوئے۔ حکیم صاحب کا پہلا نکاح ۱۶ رجمادی الآخر ۱۲۶۷ھ اپریل میں ہوا حکیم صاحب نے دوسرا نکاح ایک بیوہ خاتون سے کیا تھا۔ حاجی صاحب کو معلوم ہوا تو حضرت حاجی صاحب نے اس پر اظہار مسرت فرمایا اور لکھا۔ خدائے تعالیٰ......

این رسم نیک در ہمہ مسلمانان جاری کند۔ مکتوب ۱۵ ص ۴۴۳ ۔ امداد المشتاق۔

حکیم صاحب نے حضرت حافظ ضامن شہید سے بیعت ہو کر استفادہ باطنی کیا اور خلافت حاصل کی، ہمیشہ حافظ صاحب شہید کے ساتھ تھانہ بھون رہے حافظ صاحب نے وصیت

۵۔ مولانا رحمت اللہ بن خلیل الرحمٰن کیرانوی ۱۲۳۳ھ میں پیدائش ہوئی۔
مولانا محمد حیات، شیخ عبد الرحمٰن چشتی اور مولانا امام بخش صہبائی جیسے اصحاب فضل و
کمال اساتذہ سے علم حاصل کیا تعلیم کے بعد چند سال تک وطن میں درس دیتے رہے۔
پھر عیسائیت کے فتنے کو روکنے کے لئے اپنی خدمات وقف کر دیں اور بیش قیمت تصانیف
کے ذریعے رد عیسائیت کے ذخیرے میں لازوال اضافے کئے ان تصانیف میں
ازالۃ الاوہام۔ ازالۃ الشکوک، اعجاز عیسوی، اوضح الاحادیث، فی ابطال
التثلیث، اور اظہار الحق بہت مشہور ہیں۔ اظہار الحق کے بارے میں بلاخوف
تردید کہا جا سکتا ہے کہ رد عیسائیت میں لکھے گئے پورے کتب خانہ پر بھاری ہے
اظہار الحق کے انگریزی، فرنچ، جرمن، گجراتی، اور ترکی کے علاوہ اردو میں بھی ایک
سے زائد ترجمے ہوئے ہیں۔

اس موضوع پر مولانا نے پادریوں سے دو اہم مناظرے کئے جن میں پہلا مناظرہ
چھوٹے مناظرہ کے نام سے مشہور ہے۔ یہ مناظرہ ربیع الثانی ۱۲۷۰ھ جنوری ۱۸۵۴ء
میں پادری فرنچ کے بنگلہ پر اکبر آباد (آگرہ) میں ہوا۔ اس میں بشپ کالج کلکتہ
کے افسر اعلیٰ پادری کئی صاحب اور پادری فرنچ شریک تھے۔ اسے مولوی وزیر الدین
نے اردو میں ضبط کیا اور مخبر المطابع آگرہ سے ۱۲ صفحات پر چھپا۔ جناب امداد صابری
اس مناظرے کا ذکر کرتے ہوئے "آثار رحمت میں" لکھتے ہیں:۔

"اس چھوٹے مناظرہ کا مطبوعہ رسالہ ناپید ہو گیا جو کہیں بھی نظر نہیں آتا
اگر اس مناظرہ کا ذکر مذکورہ کتاب (مباحثہ مذہبی) کے حاشیہ پر نہ
ہوتا اور مولانا رحمت اللہ صاحب ازالۃ الشکوک جلد دوم میں اس

مناظرہ کی کارروائی نہ چھاپتے تو اس کا نام بھی باقی نہ رہتا"

(ص ۱۳۵ - ۱۳۶ مطبوعہ دہلی)

اس نادر الوجود اور ناپید رسالہ کا مطبوعہ نسخہ ہمارے ذخیرہ کتب میں محفوظ ہے۔
دوسرا مناظرہ جو بڑے مناظرہ کے نام سے مشہور ہے ۲۳ مارچ ۱۸۵۴ء ۱۱ رجب ۱۲۷۰ھ کو پادری فنڈر اور پادری فرنچ وغیرہ سے مجمع عام میں ہوا جس میں فنڈر کی ذلت آمیز شکست نے غلام ہندوستان میں مشنری کی تاریخ ہی بدل دی۔
پھر جب وقت آیا تو مولانا کے جذبۂ ایمانی نے انگریز کے خلاف تلوار بھی اسی تدبر، اور فرزانگی کے ساتھ اٹھائی جس کا مظاہرہ وہ قلمی جہاد میں کر چکے تھے۔ مولانا نے کیرانہ اور اس کے نواح میں جنگ ۱۸۵۷ء کی قیادت کی اور جنگ ناکام ہو جانے پر حجاز مقدس ہجرت کر گئے۔ مکہ معظمہ پہونچکر سلطان عبدالعزیز کے دربار میں طلبی ہوئی۔ سلطان نے مولانا کا ایسا اعزاز و اکرام کیا جس کی مثالیں تاریخ میں بہت کم ہیں۔
مولانا مناظر احسن گیلانی نے نظام تعلیم و تربیت میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی کا فنڈر سے مناظرہ، اور مولانا کی سلطان کے دربار میں حاضری کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

> حضرت مولانا محمد علی صاحب (مونگیری) کے پاس مولانا رحمت اللہ کا گرامی نامہ محفوظ تھا جس میں انہوں نے سلطانی قدر افزائیوں کا تفصیل سے ذکر کیا تھا۔ یہاں تک لکھا تھا کہ خلیفہ کی مجلس سے جب اٹھتا ہوں تو میری جوتیاں سیدھی کر کے مجھے پہناتے ہیں۔ ص ۳۵۶ جلد اول مطبوعہ ندوۃ المصنفین دہلی ۱۳۸۵ ۱۹۶۶ء۔

مولانا رحمت اللہ نے مکہ مکرمہ میں نہر زبیدہ کی مرمت اور دوسری اہم خدمات کے

علاوہ ۱۲۹۱ھ میں ایک مدرسہ قائم کیا جس کا نام کلکتہ کی ایک مخیر خاتون صولت النساء کے نام پر صولتیہ تجویز ہوا۔ یہ مدرسہ علاوہ درس و تدریس کے ہندو پاک کے لاکھوں زائرین حرم کی انتھک خدمات انجام دے رہا ہے یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ مدرسہ ابھی تک اس نصاب تعلیم اور ان روایات کو سینے سے لگائے ہوئے جو مولانا رحمت اللہ قائم کر گئے تھے۔ ۲۲ رمضان ۱۳۰۸ھ مطابق یکم مئی ۱۸۹۱ء بروز جمعہ اس درویش خدا مست رحمت اللہ کو رحمت الٰہی نے اپنی آغوش میں لے لیا۔ جنت المعلیٰ آخری آرام گاہ ازل سے مقدر تھی۔

مفصل حالات کے لئے دیکھئے تذکرۃ الغفراء مرزا احمد اختر گورگانی کیرانوی جیون پرکاش دہلی ۱۳۱۳ھ ۱۸۹۶ء۔ تذکرہ اولیائے ہند مرزا احمد اختر گورگانی رشیدیہ بک ڈپو دہلی ۱۳۷۵ھ ص ۲۹۶-۳۰۲ ——————

—— تذکرہ علماءِ ہند مولوی رحمٰن علی ترجمہ و حواشی پروفیسر ایوب قادری، پاکستان ہسٹاریکل سوسائیٹی کراچی ۱۹۶۱ص ۷۰۵ ۔ شمس العارفین۔ شاہ محمد سراج الیقین مقبول المطابع ہردوئی ۱۳۳۳ھ ص ۷۶ نزہۃ الخواطر مولانا عبد الحئی رائے بریلوی دائرۃ المعارف حیدر آباد ۱۳۹۰ھ ۱۹۷۰ء ص ۱۴۵-۱۴۷، اسلامی علوم و فنون ہندوستان میں (ترجمہ الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند مولانا عبد الحئی رائے بریلوی)، مولانا ابو العرفان ندوی - دار المصنفین اعظم گڈھ ۱۳۸۹ھ ۱۹۷۰ء ص ۳۱۲، ۳۱۴ ایک مجاہد معمار، مولانا محمد سلیم عثمانی مہتمم مدرسہ صولتیہ ۱۸۵۷ء کے مجاہد جناب غلام رسول مہر کتاب منزل لاہور ۱۵۶-۱۶۲۔ آثار رحمت جناب امداد صابری مطبوعہ دہلی۔

۷۵ حافظ عبداللہ حاشیہ ۱۵ پر گزر چکا ہے۔

۷۶ منشی دوست علی کے دیکھئے حاشیہ ۱۶۔

۷۷ حاجی محمد یعقوب کاندھلوی (بن مولانا ابوالقاسم خلف مفتی الٰہی بخش) شعروشاعری کا ذوق رکھتے تھے ابتداءً فیروزپور میں ملازم رہے پھر بھوپال چلے گئے تھے وہیں، ۷، محرم ۱۲۹۶ھ (یکم جنوری ۱۸۷۹ء) کو انتقال ہوا۔ ۱۲۷۷ھ میں ایک بڑے قافلہ کے ساتھ حج کی سعادت حاصل کی۔

۷۸ مولانا مظفر حسین (بن مولانا محمود بخش بن مولانا حکیم شیخ الاسلام کاندہلوی) ۱۲۲۰ھ (۱۸۰۵ء) میں پیدائش ہوئی۔ مفتی الٰہی بخش اور مولانا شاہ محمد اسحٰق محدث دہلوی سے تعلیم حاصل کی۔ اور مولانا شاہ محمد یعقوب کے زیر تربیت مراحل سلوک طے کئے اور مجاز ہوئے اپنے تایا مولانا شاہ کمال الدین کاندہلوی خلیفہ حضرت شاہ عبدالعدل دہلوی سے بھی استفادہ باطنی کیا اور خلافت حاصل کی۔

طبیعت بچپن سے نہایت محتاط اور غایت درجہ متبع سنت تھی آخر میں تو یہ کیفیت ہوگئی تھی کہ معدہ مشتبہ چیز کو قبول ہی نہیں کرتا تھا۔ مولانا کاندہلہ میں ایک مسجد تعمیر کرا رہے تھے سرسید احمد خاں نے اپنے خاندانی (اس خاندان سے اور میرے خاندان سے کئی نسلوں سے بہت زیادہ تعارف رہا ہے تحریر سرسید قلمی) اور ارادتمندانہ تعلقات کی وجہ سے اس مسجد کے لئے کچھ روپیہ بھیجنا چاہا مولانا نے غایت تقویٰ کی بنا پر انکار فرما دیا۔ اور کہا تمہاری تنخواہ کا روپیہ حرام ہے مسجد میں نہیں لگایا جاسکتا۔ اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے مولانا حالی لکھتے ہیں:۔

"کاندھلہ میں ایک مسجد مولوی مظفر حسین مرحوم مغفور بنواتے تھے سرسید

فرمائی تھی کہ تھانہ بھون کو وطن نہ بنانا۔ رام پور یا کاندھلہ میں قیام کرنا رام پور کو ترجیح ہے اس لئے حضرت کی شہادت کے بعد رام پور آگئے تھے۔ یہاں آکر پیر و مرشد کے حالات میں ایک رسالہ " مونس مہجوراں " کے نام سے لکھا۔ اور اس کا ایک نسخہ حضرت حاجی صاحب کو مکہ مکرمہ بھیجا تو حاجی صاحب نے تحریر فرمایا۔

" رسالہ کہ در حالات حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نوشتہ آید رسید، از مطالعہ اش بسیار خوش شدم از حرفش بوے محبت پیراں می آید، خدائے تعالیٰ قبول فرماید

" مکاتیب امدادیہ مشمولہ امداد المشتاق

مکتوب ۳۷ - امداد المشتاق ص ۱۴)

- حضرت حافظ صاحب کے حالات میں آپ کا تالیف کیا ہوا رسالہ پہونچا۔ اس کے مطالعہ سے مجھے بے انتہا خوشی ہوئی اس کے الفاظ سے پیروں سے محبت کی بو آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں "

یہ نسخہ کتب خانہ مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ میں محفوظ ہے اس کی تلخیص مولانا نسیم احمد فریدی کے قلم سے ماہنامہ تذکرہ دیوبند کی ۱۹۶۱ء کی اشاعتوں میں آچکی ہے۔ " مونس مہجوراں " کا ایک قلمی نسخہ رام پور میں بھی تھا۔ خدا معلوم یہ نسخہ اب بھی کہیں ہے یا ضائع ہو گیا۔

حکیم صاحب کو حضرت حاجی صاحب سے بھی اجازت حاصل تھی ......

تذکرۃ الرشید مولانا عاشق الٰہی میرٹھی طبع اول، بلالی اسٹیم پریس ساڈھورہ ص ۲۳۹،
امداد المشتاق ص ۳۲، ۷۹، ۲، ۲۸) حکیم صاحب ۱۳۰۵ھ سے ۱۳۱۲ھ تک
دار العلوم دیوبند کی مجلسِ شوریٰ کے رکن رہے۔ حکیم صاحب کے نام حضرت حاجی صاحب
کے سولہ گرامی نامے امداد المشتاق کا جز ہیں۔ ۲۸ رمضان کو (بظاہر ۱۳۱۲ھ)
میں، وفات پائی۔ محدث گنگوہی ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں۔

"البتہ ایک نیا حادثہ واقع ہوا کہ حکیم ضیاء الدین صاحب رامپوری
نے ۲۸ رمضان کو اس دنیا سے انتقال کیا انا للہ وانا الیہ راجعون
اور ان کی مفارقت سے ہم کو سخت رنج ہے" مکاتیب رشیدیہ مرتبہ
مولانا عاشق الٰہی میرٹھی مکتوب ۱۰۶ بنام مولانا صادق الیقین کرسوی
مطبوعہ عزیز المطابع میرٹھ ص ۴۷۔"

ھ۱۱ مولانا حافظ وحید الدین رام پوری - حکیم ضیاء الدین رام پوری کے قریبی
عزیز اور حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے بیعت تھے، محدث گنگوہی سے استفادہ
باطنی کیا۔ حاجی صاحب اور محدث گنگوہی کے آپ کے بارے میں بہت بلند
کلمات ہیں۔ حاجی صاحب ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:-

"از اسلوبی حال عزیز وحید الدین خوشنود شدم اللہ تعالیٰ ترقی کند
بمقصود خود رساند" امداد المشتاق مکتوب ۳۰ ص ۳۸۷۔"

عزیز وحید الدین کی اسلوبی حال سے خوش ہوئی، اللہ تعالیٰ ترقی
کرے اور اپنے مقصود پر پہونچائے۔

محدث گنگوہی ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں :-

"اب سنو! کہ بندہ تم کو اپنے سے عمدہ جانتا ہے خصوصاً یہ حال جو آپنے اپنے لکھے اس سے تو صاف ظاہر ہوگیا۔ کیونکہ یہ احوال نصیب بندہ نہیں ہوئے اللہ تعالیٰ مبارک فرمائے اور بندہ کو بھی حصہ مل جائے آمین"

"مکاتیب رشیدیہ مکتوب ۱۴۶ ص ۹۸"

محدث گنگوہی کے چار گرامی نامے بنام حافظ وحید الدین مکاتیب رشیدیہ میں شامل ہیں ص ۹۳ ص ۹۹۔ حافظ وحید الدین نے حاجی صاحب کے مکاتیب جمع کئے جو مرقومات امدادیہ کے نام سے امداد المشتاق کا جز بنا دیئے گئے۔ حافظ وحید الدین کے ایک صاحبزادے مولوی سعید الدین (متوفی ۱۳۴۷ھ ۱۹۲۹ء) تھے جو مدار المہام بھوپال ہوئے۔ حافظ صاحب کی تاریخ وفات معلوم نہیں۔

لـه (مولانا) میاں عبد الرحمٰن پوربی، مفتی عنایت احمد کاکوروی اور مولانا نور الحسن کاندھلوی سے تعلیم حاصل کی۔ حدیث کی تکمیل محدث گنگوہی سے کی تعلیم سے فراغت کے بعد محدث گنگوہی سے بیعت ہوئے اور استفادہ باطنی کیا اور چند روز میں صاحب نسبت ہو گئے محدث گنگوہی نے اجازت بیعت عطا فرمائی افسوس عمر نے وفا نہ کی گنگوہی میں وصال کر گئے۔ تذکرۃ الرشید ص ۱۶۰۔ ۳۱۷، ۳۱۸/۲۔ ان کی وفات عجیب حالات میں ہوئی۔ مولانا محمد یعقوب نانوتوی ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔ - انتقال میاں عبد الرحمٰن اور اس کیفیت کی ساتھ ایک نمونہ قدرت و عنایت حق تعالیٰ شانہ کا ہے اس کی رحمت جب ہوتی ہے اس کے آثار ایسے ہی ہوا کرتے ہیں بہتیرے اللہ کے مقبول بندے ایسے ہوتے ہیں کہ سوائے اللہ تعالیٰ اور کسی کو ان کے

رازکی اطلاع نہیں ہوتی - اور ان کی کیفیت دل کی کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ تعالیٰ یا بعض اس کے خاص بندے کوئی اس کو نہیں پہچانتا - بیاض یعقوبی مکتوب ۳۲ ص ۱۲۳ مطبوعہ مکتبہ تالیفات اشرفیہ تھانہ بھون -

مولانا عبدالرحمٰن صاحبزادہ محدث گنگوہی حکیم مسعود احمد کے استاد بھی تھے - تذکرۃ الرشید ص ۳۱۸ -

۷۵ مولانا حکیم حافظ محمد یوسف (بن حضرت حافظ محمد ضامن شہید) فاروقی چشتی تھانوی ثم رام پوری حضرت حاجی صاحب کے مخصوص خلفاء میں سے تھے، حاجی صاحب نے ضیاء القلوب ان ہی کی فرمائش پر لکھی تھی، حضرت نے ضیاء القلوب کے مقدمہ میں ---

---عزیزم سعید کونین پسندیدہ اخلاق حافظ محمد یوسف فرزند رشید امام العارفین عارف باللہ کامل اکمل حضرت حافظ محمد ضامن شہید فاروقی چشتی (ضیاء القلوب فارسی مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱۳۱۰ھ) کی خواہش پر اس کی تصنیف کا ذکر کیا ہے حافظ محمد یوسف، ابتداء الور میں ملازم تھے (مکتوب حاجی صاحب ۱۵ امداد المشتاق جدید ص ۳۴۳) اور ریاست بھوپال میں تحصیلدار بھی رہے (آپ بیتی ۵ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مدظلہ العالی ص ۵۵ کتب خانہ یحیوی سہارنپور) حافظ صاحب اپنے والد بزرگوار کی طرح بہت ظریف و خوش طبع اور صاحب تصرف و کشف و کرامات بزرگ تھے - حضرت شیخ زید مجدہم نے ان کے تصرف و کشف کے متعدد واقعات آپ بیتی میں تحریر فرمائے ہیں - ان کی وفات کا قصہ بھی عجیب ہے - حضرت شیخ مدظلہ فرماتے ہیں -

ایک دن میرے ماموں اور حافظ محمود صاحب نوراللہ مرقدہ سے جو قاری

محمد طیب مہتمم دارالعلوم کے خسر تھے۔ ان کے لڑکپن میں فرمایا کرتے تھے محمود ہمارے پاس کچھ چٹکلے ہیں ہم سے پوچھ لینا گھر بیٹھے دو سو ملا کریں گے۔ اس زمانے کے دو سو آجکل کے دس ہزار کے بقدر تھے۔ حافظ محمود نے اس کو کوئی زیادہ اہمیت نہیں دی عصر کی نماز میں تکبیر ہو رہی تھی صف سے آگے کو منہ نکال کر فرمایا کہ ارے محمود ہماری بات یاد رکھنا۔ کل کو ہمیں سفر میں جانا ہے۔ وہ سمجھے کہ گنگوہ یا جھنجھانہ وغیرہ جانا ہوگا۔ اگلے روز حافظ صاحب نے گنگوہ، تھانہ بھون، جھنجھانہ، دیوبند وغیرہ خطوط تحریر فرمائے کہ آج سفر کا ارادہ ہے لوگ سمجھے کہ اکثر قرب وجوار میں بھی جاتے رہتے ہیں۔ ممکن ہے کہ بھوپال کا ارادہ ہو یا کسی قریب جگہ کا دوسرے دن عصر کی نماز جماعت سے پڑھی اور مسجد کے صحن کے سامنے ایک چارپائی پڑی تھی۔ اور اس پر اکثر لیٹا بھی کرتے تھے وہاں پہونچ کر تا نکالا صرف لنگی بندھی ہوئی تھی قبلہ کی طرف منہ کر کے لیٹ گئے اور یہ جا، وہ جا نمازی مسجد سے نکل کر محل حویلی جو مسجد کے قریب بہت مشہور ومعروف مکان اعزہ کے ہیں وہاں تک پہونچے بھی نہ تھے کہ مسجد کا مؤذن بھاگا ہوا گیا کہ چلو حافظ جی کو دیکھو کیا ہوا سب واپس آئے تو دیکھا کہ حضرت حافظ صاحب ابدی سفر پر روانہ ہو چکے تھے۔ آپ بیتی ۵ مختصراً۔ ص ۵۳-۵۴۔

شلہ مولانا احمد بن حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی ولادت تقریباً ۱۲۷۹ھ اور مولانا احمد بن مولانا حکیم ضیاء الدین رام پوری ولادت ۱۲۸۲ھ-۱۸۶۶ء تو یقیناً مراد نہیں۔ ان کے علاوہ یہ تیسرے احمد کون ہیں معلوم نہیں ہو سکا۔

۹لہ حافظ حسام الدین رام پوری، حکیم ضیاء الدین کے خاندان کے صاحب نسبت

بزرگ تھے - حواشی امداد المشتاق ص ۳۹۲ - بیعت واستفادہ باطنی کا تعلق،
حضرت حاجی صاحب سے رکھتے تھے - ان کی وفات پر حاجی صاحب نے انتہائی
رنج وغم محسوس کیا جس کا اندازہ ان سطور سے ہوتا ہے -

"واز خبر وحشت اثر انتقال عزیز جانم حافظ حسام الدین رنجیکہ
پیرامون خاطر احقر گردید بقلم نمی آید، تنہائی آں عزیز کہ عزیز مرحوم
مثل خادم ہم پیالہ وہم نوالہ شما بود، رضا بقضاء اللہ تعالیٰ عزیز
مرحوم را از حساب وکتاب قبر پاک وصاف کردہ بجنت الفردوس
رسانا د" امداد المشتاق جدید مکتوب ۵۸ - ص ۲۵۷ -

عزیز از جان حافظ حسام الدین کے انتقال کی خبر وحشت اثر
سے احقر کو جس قدر رنج ہوا ہے وہ تحریر میں نہیں آسکتا -
خصوصاً آں عزیز کی تنہائی کے خیال سے اس لئے کہ عزیز مرحوم مثل
خادم تمہارے ہم پیالہ وہم نوالہ تھے - راضی برضا ہوں - اللہ تعالیٰ
عزیز مرحوم کو قبر کے حساب وکتاب سے پاک صاف کر کے جنت الفردوس
میں پہونچائے"

نمبر۲ حضرت یعنی بابا فرید الدین گنج شکر، مسعود بن جمال الدین سلیمان نام،
فرید الدین گنج شکر لقب، سنہ ولادت مولانا عبد الحئی نے نزہتہ الخواطر میں ۵۶۹
نقل کیا ہے - ابتدائی تعلیم وطن (موضع کھوتوال ملتان) کے مکتب میں حاصل
کی پھر ملتان تشریف لے گئے وہاں مولانا منہاج الدین سے نافع پڑھی - یہیں
حضرت شیخ قطب الدین بختیار کاکی کی زیارت اور پہلی ملاقات ہوئی - اسی وقت

حضرت سے بیعت ہو گئے، شیخ کی ہدایت کے مطابق تعلیم مکمل کی۔ پھر سیر و سیاحت شروع کر دی اس سیاحت میں اکابر صوفیا اور بڑے بڑے مشائخ سے ملاقاتیں اور استفادہ کیا۔ پھر دہلی پہونچے اور شیخ کی خدمت میں رہ کر ریاضت و مجاہدات کئے۔ اور شیخ نے خلافت عطا فرمائی خواجہ معین الدین چشتیؒ شیخ قطب الدین بختیار کاکی سے فرماتے تھے۔

"بابا بختیار! شہبازے عظیم بقید آوردہ آید، کہ جز بسدرۃ المنتہی آشیانہ نگیرد، وایں فرید شمعیست کہ خانہ درویشاں منور سازد

تذکرہ صوفیائے پنجاب بحوالہ سیر العارفین ص۲۳"

ترجمہ:- بابا بختیار! ایسا شہباز عظیم قید میں آیا ہے کہ جو سدرۃ المنتہی کے سوا آشیانہ نہ بنائے گا، اور یہ فرید وہ شمع ہے جس سے درویشوں کی قیام گاہیں، منور ہوں گی"

خلافت حاصل کرنے کے بعد شیخ سے رخصت ہو کر ہانسی پہونچے۔ ادھر شیخ نے انتقال فرمایا اُدھر شیخ فرید خواب میں دہلی پہونچنے کا حکم پا کر دہلی روانہ ہوئے اور شیخ کی وفات کے تین روز بعد دہلی پہونچے وہاں صوفی حمید الدین ناگوری نے شیخ کے حسب وصیت تمام تبرکات بابا فرید کے حوالہ کئے۔ بابا فرید نے خرقہ زیب تن کیا اور شیخ کے سجادہ پر بیٹھے۔ لیکن پھر دہلی رہنے کا ارادہ چھوڑ کر ہانسی روانہ ہو گئے۔ بقول پروفیسر خلیق احمد نظامی "بابا فرید کا دہلی میں قیام نہ کرنا چشتیہ سلسلے کے حق میں انتہائی مفید ہوا جتنا قطب صاحب کا دہلی میں قیام کرنا" ہانسی میں جب زیادہ رجوع ہوا تو وہاں سے اجودھن (پاک پٹن شریف ضلع منٹگمری پاکستان)

آگئے دہیں وفات پائی۔

سنہ وفات میں خاصا اختلاف ہے۔ عام تذکرہ نگاروں نے ۶۶۴ھ ذکر کیا ہے صاحب مخبر الواصلین ۶۷۰ بیان کرتے ہیں ابو الفضل؛ اور غلام حسین طباطبائی نے ۶۶۸ میں لکھی ہے۔ مؤلف انوار العارفین نے کئی قول نقل کئے ہیں کسی ایک سن کی تعیین بہت مشکل ہے

محمد غوثی (مولف گلزار ابرار) کا بیان ہے کہ بابا فرید نے فصوص الحکم ابن عربی پر ایک حاشیہ بھی لکھا تھا تاریخ مشائخ چشت ص ۱۱۵۔ ابن بطوطہ اجودھن گیا تھا اس نے شیخ سے اپنی ملاقات کا ذکر کیا ہے۔ مگر اس بیان میں ابن بطوطہ کو سہو ہوا۔ ابن بطوطہ نے ۷۳۴ھ ۱۳۳۳، میں سندھ اور پنجاب کا سفر کیا تھا اس وقت بابا فرید کی وفات پر چھ دہائیاں گذر چکی تھیں۔ شاید ابن بطوطہ شیخ کے صاحبزادے نصر الدین نصر اللہ سے ملا ہو جو اس وقت پاک پٹن میں تھے۔

مفصل حالات کے لئے ملاحظہ کیجئے۔ تحفۃ الاخیار، شیخ عبد الحق محدث دہلوی احمدی دہلی ۱۲۷۰ھ ص ۶۱-۶۴ مخبر الواصلین، ابو عبد اللہ محمد فاضل ترمذی، مطبع مصطفائی ۱۲۶۵ھ ص ۵۰-۵۱ آئین اکبری ابو الفضل سر سید ایڈیشن اقتباس الانوار شیخ اکرم چشتی براسوی ص ۱۶۰-۱۷۵ مطبوعہ لاہور، سیر المتاخرین شیخ غلام حسین طباطبائی نسخہ قلمی مکتوبہ قبل از ۱۲۴۵ھ ورق ۱۸۷ مملوکہ راقم الحروف انوار العارفین مولوی محمد حسین مراد آبادی، نول کشور لکھنؤ ص ۲۴۹-۳۵۵ تذکرہ اولیائے ہند مرزا احمد اختر گورگانی رشیدیہ دہلی ۱۳۷۵ھ ص ۳۰-۳۴ نزہۃ الخواطر مولانا عبد الحئی رائے بریلوی دائرۃ المعارف ۱۳۶۶ھ

۱۹۴۷ء ص ۱۳۱۔ ۲۳۲۔ تاریخ مشائخ چشت پروفیسر خلیق احمد نظامی، ندوۃ المصنفین دہلی ۱۳۷۲ھ ص ۱۵۷ - ۱۶۳ - خلاصہ سفرنامہ ابن بطوطہ از مولوی عبدالرحمن خان، مکتبہ برہان دہلی ۱۹۴۸ء ص ۱۱۷، تذکرہ صوفیائے پنجاب مولانا اعجاز الحق قدوسی، سلمان اکیڈمی کراچی۔ ص ۲۲۴ - ۳۹۰۔

۱۲ے شہباز قلندر، شیخ عثمان مروندی (بن سید کبیر بن سید شمس الدین) نام، لعل شہباز قلندر لقب سلسلۂ نسب میں صاحب خزینۃ الاصفیاء، اور مولف تذکرہ صوفیائے سندھ کے بیانات میں اختلاف ہے تذکرہ صوفیائے سندھ نے بحوالہ لب تاریخ سندھ امام جعفر صادق تک تیرہ۱۳ واسطے بیان کئے ہیں بظاہر یہی صحیح ہے ۵۷۳ھ ۱۱۷۷ء میں مروند میں ولادت ہوئی وطن میں تعلیم و تربیت حاصل کی۔ پھر بابا ابراہیم سے بیعت ہوکر ریاضت و مجاہدہ میں مشغول رہے۔ شیخ سے خلافت حاصل کرنے کے بعد دوسرے مشائخ سے بھی اکتساب فیض کیا۔ اور ہندوستان اور دوسرے ممالک میں سیاحت کرتے رہے۔ اس دوران بڑے مشہور مشائخ سے ملاقاتیں اور استفادہ کیا۔ ان مشائخ میں حضرت شیخ فریدالدین گنج شکر، شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی، شیخ بوعلی قلندر پانی پتی کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ مولف تذکرہ صوفیائے سندھ نے اس سلسلے میں مخدوم جہانیاں جہاں گشت کا بھی نام لیا ہے۔ مگر یہ درست معلوم نہیں ہوتا۔ مولف نے مخدوم جہانیاں کی ولادت ۷۰۷ھ میں اور حضرت لعل شہباز کی وفات ۶۷۳ھ میں بیان کی ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی لکھ رہے ہیں کہ لعل شہباز نے مخدوم جہانیاں سے استفادہ کیا یہ کیسے ممکن ہے؟ اگر بعض

مورخین کے بقول لعل شہباز کی وفات ۶۷۳ھ میں تسلیم کرلی جائے تب بھی اس وقت مخدوم جہانیاں کی عمر ایسی نہ ہو گی کہ ان سے ایسے معمر شیوخ استفادہ کر سکیں۔

شیخ شہباز بڑے عالم اور صاحب تصنیف بزرگ تھے مولف تذکرہ صوفیائے سندھ نے لکھا ہے کہ شیخ کو شعر و سخن سے بھی دلچسپی تھی۔ عثمان تخلص فرماتے تھے اور (بحوالہ مقالات الشعراص ۴۳۵ مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ) ان کی ایک غزل بھی نقل کی ہے جس کا مطلع یہ ہے:۔ ؎

زعشق دوست ہر ساعت درون نار می رقصم
گہے بر نار می غلطم گہے بر خار می رقصم

اور مقطع یہ ہے ؎

منم عثمان مروندی کہ یار خواجہ منصورم
ملامت می کند خلقے ومن بردار می رقصم

لیکن اس کی نسبت شیخ عثمان مروندی کی جانب مشتبہ معلوم ہوتی ہے۔ یہ غزل شیخ عثمان ہارونی کی ہے اور اسی نسبت سے مشہور ہے۔

شیخ نے ۲۱ شعبان ۶۷۳ھ ۱۲۷۴ء میں وفات پائی، سیوستان... (ضلع دادو، سندھ پاکستان) میں مزار مرجع خلائق ہے۔ مولف خزینۃ الاصفیاء نے ۶۵۰ھ میں وفات ذکر کی ہے اور عارف محبوب شہباز سے تاریخ نکالی ہے خزینۃ الاصفیاء پر اعتماد کرتے ہوئے مولف تذکرہ علماء ہند و پاک نے بھی یہی سنہ نقل کیا ہے بظاہر اول صحیح ہے۔ علی شیر قانع ٹھٹوی اور مولف تذکرہ صوفیائے سندھ نے یہی بیان کیا ہے مفصل حالات کیلئے دیکھئے تحفۃ الکرام علی شیر قانع ٹھٹوی

ص ۱۳۶/۳ مطبع ناصری دہلی ہ۔۱۳۰ھ۔ خزینۃ الاصفیاء ص ۲۶۴، ۲۷۴/۲۔
تذکرہ علمائے ہند و پاک۔ مرزا احمد اختر گورگانی ص ۳۶۴ نزہۃ الخواطر ۲۳۱/۱
تذکرہ صوفیائے سندھ، مولانا اعجاز الحق قدوسی ص ۱۹۷-۲۰۷، اردو اکیڈمی
سندھ کراچی ۱۹۵۹ء ——— مولانا محمد یعقوب نانوتوی بھی حج کو جاتے ہوئے
سیوان سے گذرے تھے۔ اور حضرت شہباز قلندر کے مزار پر حاضر ہوئے تھے مولانا
کے سفرنامے حج مشمولہ بیاض یعقوبی ص ۱۹۰-۲۲۰ مکتبہ تالیفات اشرفیہ تھانہ بھون
میں اس کی تفصیلات ملتی ہیں۔

۲۲؎ حکیم ضیاء الدین رام پوری تعارف کے لئے دیکھیے حاشیہ ۱۵؎۔

۲۳؎ ڈپٹی عبد الحق صاحب رام پوری (مولوی سعید الدین رام پوری کے
ماموں) رام پور کے مخیر اور دریا دل شخص تھے۔ حج کا ارادہ کیا تو ایک بڑے قافلہ کو
ساتھ لے کر چلے جس میں محدث گنگوہی بھی شامل تھے۔ یہ محدث گنگوہی کا پہلا حج
تھا۔ جس کی تفصیلات آپ ان خطوط میں پڑھ رہے ہیں ڈپٹی صاحب حج کے بعد
مدینہ پاک حاضر ہوئے۔ اور پھر اس مبارک سرزمین سے واپسی گوارہ نہ ہوئی مدینہ
طیبہ میں انتقال ہوا۔ اور جنت البقیع میں دفن ہو کر اپنے خلوص کا صلہ پا لیا۔
تذکرۃ الرشید ص ۲۰۱۔ ص ۱۰۸/۱۔ حضرت حاجی صاحب ان کی وفات پر
ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"امت الحبیب کو بعد سلام و دعائے خیر کے معلوم ہو کہ از انتقال ڈپٹی
صاحب و برخورداری عمدا رنجیکہ اوپر خاطر فقیر کے گزرا حاجت
تحریر کی نہیں۔ خدائے تعالیٰ دونوں کو بخشے اور جنت الفردوس

عطا کرے۔ امداد المشتاق ص۔ ۳۲۸۔

۲۲۴ تعارف حاشیہ ۱۶۵ پر ملاحظہ کیجئے۔

۲۲۵ مولانا مظفر حسین کاندھلوی، مختصر تعارف حاشیہ ۵۹ پر گذر چکا ہے۔

۲۲۶ مولانا نور الحسن صاحب کا تعارف حاصل کرنے کے لئے حاشیہ ۱۱۰ ملاحظہ فرمایئے۔

۲۲۷ پیرجی میاں احمد حسین (بن فدا حسین بن حافظ محمد امین) تھانوی برادر زادہ حضرت حاجی امداد اللہؒ ابتداءً تنگ دست اور پریشان حال تھے تھانہ بھون میں قیام تھا، حاجی صاحب ان کے لئے تھانہ بھون کا قیام پسند نہ فرماتے تھے (امداد المشتاق مکتوب ۱۵ ص ۳۴۲) اس عسرت و تنگ حالی کی وجہ سے حاجی صاحب نے مطبع مجتبائی میرٹھ میں ملازم کرانا چاہا۔ اس ملازمت کو مولوی احمد حسین نے قلتِ تنخواہ کی وجہ سے قبول نہ کیا (مکتوب ۱۶، ص ۳۴۷۔ مکتوب ۱۷، ص ۳۴۳) پھر انہوں نے حیدرآباد جانے کا ارادہ کیا حاجی صاحب نے اسے بھی پسند نہ فرمایا (مکتوب ۲۸ ص ۳۸۳) بالآخر حاجی صاحب کی ہدایات اور نگرانی تجویز ختم ۱۵ اثر کیا۔ اور ان کے دل سے عیش و عشرت کی زندگی گذارنے کا خیال جاتا رہا۔ یہ کیفیت پیدا ہو جانے کے بعد حاجی صاحب کی جانب سے بھی ان کے کہیں آنے جانے پر کوئی پابندی نہ رہی (مکتوب ۵۰ ص ۳۵۴) پہلے بھوپال جانے کا ارادہ کیا پھر اپنا سب ساز و سامان فروخت کرکے حاجی صاحب کی خدمت میں ایک سال قیام کرنے کے ارادہ سے مکہ معظمہ پہونچ گئے (مکتوب ۵۹ ص ۳۶۴) ایک سال گذرنے کے بعد اور ایک سال قیام کا ارادہ کرلیا اس کے بعد وہاں سے

واپسی نہ ہو سکی۔ وہیں ۱۳ر ذی الحجہ ۱۳۱۴ھ ۱۶ر مئی ۱۸۹۷ء) کو انتقال ہو گیا۔

حاجی صاحب ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :۔

" عزیزم حافظ احمد حسین مرحوم کی کیفیت تو آپ سن چکے ہونگے وہ عزیزم مرحوم بعارضۂ فالج آٹھویں ذی الحجہ بیمار ہوئے۔ نویں کو زبان بند ہو گئی، بالکل بے حس و حرکت تین چار روز تک حالت ان کی رہی آخر تیرہویں ذی الحجہ جان بحق تسلیم ہوئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ اپنے جوار رحمت میں ان کو جگہ دے۔ آمین آپ بھی ان کے لئے دعا فرمایئے گا۔

(مکاتیب رشیدیہ ص ۶ مکتوب حضرت حاجی صاحب)

حکیم الامت تھانوی نے اس حادثہ پر محدث گنگوہی کے نام تحریر فرمایا :۔

" تازہ خبر حسرت اثر یہ ہے کہ کل مکہ معظمہ سے میرے ایک ملاقاتی کا خط ایک حاجی صاحب لائے ہیں لکھا ہے کہ حافظ احمد حسین صاحب امین الحجاج ۱۳ر ذی الحجہ ۱۳۱۴ھ کو رحلت فرمائے عالم بقا ہوئے۔ نہایت رنج کئی طرح سے ہوا۔ اول خود ان کے انتقال کا رنج، دوسرے ان سے حجاج کو کس قدر نفع تھا، تیسرے حضرت صاحب کی تنہائی و تشویش کا، چوتھے چھوٹے بچوں کا خیال، پانچویں خدا کرے رد و دائع میں کوئی قصہ نہ ہو۔

(تذکرۃ الرشید ص ۱۳۲-۱)

مولوی احمد حسین کے مکہ معظمہ قیام کا بڑا فائدہ یہ ہوا کہ مولوی عبد السمیع بیدلؔ

رام پوری (تلمیذ غالب ومولف انوار ساطعہ) کے ہمنوا محدث گنگوہی اور مولانا محمد قاسم نانوتوی کے متعلق حاجی صاحب سے کچھ کہتے تو یہ ان کے جوابات دیتے اور ان حضرات کی صفائی پیش کرتے۔ مکتوب محدث گنگوہی بنام مولانا خلیل احمد محدث سہارن پوری ۷۴ مکاتیب رشیدیہ ص ۴۳۔

٭۲۵ اس نام کی تین ہم عصر شخصیتیں ہیں۔ (۱) امیر احمد تھانوی (۲) امیر احمد رام پوری (۳) منشی امیر احمد گنگوہی۔

عبدالرحمن حیرت امیر احمد تھانوی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

" حافظ امیر احمد تھانہ بھون کے رئیس ہیں علم و ہنر میں کمال رکھتے ہیں مختلف انگریزی عہدوں پر فائز رہے آجکل ریاست کھنجورہ ضلع کرنال میں میر منشی ہیں۔ خوش لباس اور خوش خوراک آدمی ہیں۔ (ترجمہ سفینہ رحمانی ص ۱۱۱)

امیر احمد رام پوری ۱۸۵۷ء کی جنگ میں بھرپور حصہ لیا تھا پھر روپوش ہو کر مکہ مکرمہ چلے گئے۔ عام معافی کا اعلان ہونے پر ہندستان آئے مگر گرفتاری کا خطرہ لگا ہوا تھا اس لئے خود ہی حاضر عدالت ہو گئے پھر رہا ہو کر وطن پہونچے۔ مولانا تھانوی تحریر فرماتے ہیں:۔

" امیر احمد بار بار حضرت سے دریافت کرتے تھے کہ یا حضرت میں ہندستان جاؤں؟ اور حضرت فرماتے تھے ہاں جاؤ مگر امیر احمد کو اپنے اوپر مقدمات کا قوی خطرہ تھا اس واسطے شبہ ہوتا تھا کہ ضرور گرفتار اور سزایاب ہوں گا۔ اس واسطے باوجود حضرت کے

فرما دینے کے ان کو اطمینان نہیں ہوتا تھا - اور بار بار دریافت کرتے تھے - ایک روز حضرت نے چیں بجبیں ہو کر فرمایا - تمہارا جی گرفتار ہونے کو چاہتا ہے - میاں جاؤ! تب میں نے ان سے کہا کہ اب تم شک و شبہ چھوڑ دو - اور حضرت نے خود ارشاد فرمایا ہے - خدا کا نام لے کر چلو - اللہ تعالی بہتر کرے گا - چنانچہ وہ میرے پاس ہندوستان آئے - اور چند روز دہلی کی ایک مسجد میں رہ کر حاضر عدالت ہو گئے - چنانچہ گرفتار کر کے جیل بھیجدیئے گئے - اور بالآخر تمام مقدمات سے بری ہو کر اپنے گھر بخیریت تمام پہونچ گئے۔

" امداد المشتاق ص ۲۴۵ "

تیسرے منشی امیر احمد گنگوہی جو آگرہ میں ڈپٹی مجسٹریٹ نہر کے عہدہ پر متعین تھے ان کا ذکر مولانا عاشق الہی میرٹھی نے تذکرۃ الرشید ص ۲۲۳-۲ میں کیا ہے - ان تینوں کی تاریخ وفات معلوم نہیں ہو سکی -

۲۹ مولوی ابوالنصر بن مولوی عبدالغنی گنگوہی، محدث گنگوہی کے ماموں زاد بھائی بچپن کے رفیق اور بے تکلف دوستوں میں تھے - شکل و صورت میں بھی محدث گنگوہی کے بہت مشابہ تھے - ۱۸۵۷ء میں محدث گنگوہی کے وارنٹ جاری ہونے پر صورت کی حد درجہ مشابہت کی وجہ سے شبہ میں گرفتار کر لئے گئے - سپاہیوں نے ان کو بہت مارا پیٹا - اور تکلیف پہونچائی - لیکن انہوں نے یہ نہیں کہا کہ میں رشید احمد نہیں ہوں - بعد میں فوجیوں کو اس کا پتہ چلا تو انہوں نے چھوڑ دیا - محدث گنگوہی کی گرفتاری کے بعد ان کی بے قراری کا یہ عالم

تھا کہ دوش کے پیچھے پاپیادہ سہارن پور تک گئے، طبیعت کی پریشانی اور موسم کی شدت کی وجہ سے راستہ میں بے ہوش ہو کر گر گئے۔ مگر جب ہوش آیا تو پھر وہی دھن تھی۔ بالآخر افتاں خیزاں سہارنپور پہونچے اور حضرت کی خیریت معلوم کی۔ ان کی والہانہ شیفتگی اور خدمات کے متعدد واقعات مولانا عاشق الٰہی نے تذکرۃ الرشید میں نقل کئے ہیں۔ پہلے سفر حج میں جس کی تفصیلات آپ ان خطوط میں پڑھ رہے ہیں۔ حضرت کی ایسی خدمت کی جس کی نظیر نہیں۔ ان کی ان خدمات کی وجہ سے حضرت فرمایا کرتے تھے۔ ابوالنصر تو میری ماں ہے (تذکرۃ الرشید ص ۲۰۸)

ایک معاملہ میں مولوی ابوالنصر سے زک اٹھانے کے بعد دو شیعوں نے ان پر سحر کرا دیا جس کے اثر سے وہ درد شقیقہ کے مریض ہو گئے۔ حضرت کو معلوم ہوا تو سنتے ہی بے ساختہ فرمایا۔ پھر کیا؟ اگر کرادیا ہے تو وہ خود نہیں رہے گا۔ اور دوسرا اندھا ہو گیا، چنانچہ ان میں سے ایک اگلے دن ہیضہ سے مر گیا۔ اور دوسرا کچھ دنوں کے بعد اندھا ہو گیا۔ مولوی ابوالنصر نے بہت طویل عمر پائی، مولوی محمد ایوب انصاری گنگوہی کا بیان ہے کہ مولوی ابوالنصر ۱۹۱۸ء / ۱۳۳۷ھ تک حیات تھے۔ تاریخ وفات معلوم نہیں۔

۳۰ھ تعارف حاشیہ ۱۱ھ میں گذر چکا ہے۔

۳۱ھ دیکھئے حاشیہ ۲۷ھ۔

۳۲ھ مولانا عنایت اللہ بالوی۔ حضرت حاجی صاحب کے اجل خلفا میں تھے حکیم الامت تھانوی نے امداد المشتاق میں ایک سے زائد مقامات پر مولانا کا ذکر کیا ہے۔ بمبئی میں قیام پذیر تھے وہیں وصال ہوا۔ محدث گنگوہی نے اپنے آخری

سفر حج ذی قعدہ ۱۲۹۹ھ اکتوبر ۱۸۸۲ء کے موقعہ پر بھی بمبئی میں مولانا عنایت اللہ سے ملاقات کی تھی (مکاتیب رشیدیہ۔ مکتوب ۴۰ ص ۳۸۔ افسوس مولانا عنایت اللہ کے مفصل حالات کہیں نہیں ملتے۔ مولانا عنایت اللہ صاحب نے طویل عمر پاکر ۱۳۰۵ھ میں بمبئی میں وفات پائی۔

۳۳ے دیکھیے حاشیہ ۹ے۔

۳۴ے حاشیہ ۱۰ے ایک بار پھر ملاحظہ فرمائیں۔

۳۵ے حضرت کے مکتوب گرامی میں محمود احمد ہے جو بظاہر سبقت قلم ہے صحیح نام محمد احمد ہے، قاضی محمد احمد رسوا ابن قاضی غلام حید رمتوفی ۱۲۰۸ھ بن قاضی غلام حسین صدیقی کاندھلوی، قاضی محمد عبداللہ بن مولانا کریم الدین مذکور حفید قاضی ضیاء الدین سنامی متوفی ۷۲۵ھ کی اولاد میں تھے۔ قاضی محمد احمد رسوا ذی علم اور خوش مزاج بزرگ تھے سخن گوئی اور سخن فہمی کا پاکیزہ ذوق رکھتے تھے۔ جناب احسان دانش اپنی "آپ بیتی میں لکھتے ہیں۔

"کاندھلہ کی شعری فضا پر داغ اور ذوق کا رنگ غالب تھا شاید اس وجہ سے کہ قاضی محمد ذکی کے بڑے بھائی قاضی محمد احمد صاحب رسوا استاذ ذوق کے سلسلے کے تھے۔

"جہان دانش ص ۱۴۸۔ مطبوعہ لاہور ۱۹۷۳ء

استاد ذوق نے ۱۲۷۱ھ میں وفات پائی اور قاضی محمد احمد رسوا کا انتقال ۱۲۸۵ھ میں ہوا۔ اس لئے بہت ممکن ہے کہ قاضی محمد احمد ذوق کے بلاواسطہ شاگرد ہوں۔ قاضی محمد احمد نے اپنا کلام مرتب کیا تھا جو شاید اب بھی موجود ہے لیکن باوجود

کوشش راقم سطور اس سے استفادہ نہ کر سکا۔

قاضی محمد احمد نے ۱۸۵۷ء کی جنگ میں بہت سرگرم حصہ لیا اور تھانہ بھون شاملی سے روپوش ہو کر آنے والے اشخاص کو اپنے مکان میں پناہ دی۔ قاضی عنایت علی خاں کا معہ پچاس سواروں کے آنا اور حضرت حاجی صاحب کی آمد بہت مشہور ہے۔ بغاوت کے الزام میں ان پر مقدمہ چلا۔ کلکٹر نے جو فرد جرم عائد کی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قاضی محمد احمد جنگ سے پہلے ہدایات حاصل کرنے تھانہ بھون گئے اور ان کے بھائی قاضی عبدالرحمٰن و عبدالرحیم نے دہلی جا کر جنگی سرگرمیوں میں حصہ لیا۔ فرد جرم میں قاضی عنایت علی سرکردہ مجاہدین تھانہ بھون کا مع پچاس سواروں کے آنے کا بھی ذکر ہے۔ اس مقدمہ کی تفصیلات کا یہ موقعہ نہیں، ۱۸۵۷ء میں اہل کاندھلہ کی شرکت، اہل کاندھلہ پر الزام بغاوت میں مقدمات، اور اس سلسلے کی تمام تفصیلات کے لئے ہماری زیر ترتیب کتاب تاریخ کاندھلہ کا انتظار فرمایئے۔

قاضی محمد احمد رسوا کا انتقال ۱۲ رجب بروز شنبہ ۱۲۸۵ھ ۱۵ اردسمبر ۱۸۶۸ء کو ہوا۔ قاضی صاحب نے دو صاحبزادے یادگار چھوڑے۔ قاضی محمد ذکی صاحب ذکی جو داغ اسکول سے تعلق رکھتے تھے۔ نہایت ملنسار اور غریب پرور بزرگ تھے شعر و شاعری کا ذوق تو ورثہ میں پایا تھا۔ اس کے علاوہ خطاطی اور مصوری سے بھی شوق کرتے تھے اس میں بڑی مہارت اور فنی کمال بہم پہونچایا تھا جناب احسان دانش لکھتے ہیں :۔

"قاضی محمد ذکی گرد و نواح میں معروف بزرگ تھے۔ عربی، فارسی

سنسکرت، اور اردو میں اعلیٰ قابلیت رکھنے کے علاوہ بلند درجے

شاعر اور چابکدست مصور بھی تھے۔ خصوصاً لائف اسکیچ میں انہیں

بڑی مہارت تھی۔ ویسے وہ گلکاری اور ڈیزائنگ میں بھی بڑے

بہار قلم فنکار تھے جب وہ کسی کو سامنے بٹھا کر تصویر بناتے تو تصویر

اصل سے "ٹکر" کھانے لگتی۔ اور جب وہ خط گلزار میں کچھ لکھدیتے تو

ان کے خطوط منہ سے بولنے لگتے"۔

"جہان دانش" ص۶۴"

جناب احسان دانش کاندھلوی قاضی ذکی کے شاگرد ہیں۔ قاضی ذکی نے

اپریل ۱۹۳۹ء میں وفات پائی جناب احسان دانش نے قاضی محمد احمد رسوا کو قاضی

ذکی کا بڑا بھائی بیان کیا ہے یہ صحیح نہیں۔ قاضی ذکی کے دوسرے بھائی قاضی ابو محمد تھے

ان کی وفات ۲۴ر صفر ۱۳۳۶ھ ۲ر نومبر ۱۹۱۷ء کو ہوئی۔

۳۶ھ دیکھئے حاشیہ ۲۸۔

۳۷ھ حدیث کے الفاظ یہ ہیں :۔ انا زعیم ببیت فی ربض الجنۃ لمن

ترك المراء وان كان محقا وبيت فى وسط الجنة لمن ترك

الكذب وان كان مازحا وبيت فى اعلى الجنة لمن حسن

خلقه! رواه ابی داؤد عن ابی امامۃ الباھلی مرفوعاً۔

ترجمہ :۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں میں

اس شخص کے لئے جنت کے اطراف میں ایک مکان کی ضمانت لیتا ہوں جو آپس

میں جھگڑا ختم کردے اگرچہ وہ حق پر ہو۔ اور جنت کے درمیانی حصہ میں مکان

کی ضمانت لیتا ہوں۔ اس کے لئے جو جھوٹ (بولنا) چھوڑ دے اگرچہ وہ مذاق میں ہی کیوں نہ ہو۔ اور جنت کے اعلیٰ حصہ میں مکان کی ضمانت لیتا ہوں جس کے اخلاق اچھے ہوں۔ سنن ابو داؤد مع بذل المجہود ص ۲۴۰ / ۵ طبع اول، شیخ الاسلام نووی اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں۔ حدیث صحیح۔ ریاض الصالحین للعلامۃ النووی المطبعۃ السعیدیہ بمصر ص ۱۱۶۔ اور علامہ مرتضیٰ الزبیدی نے اس کی سند کو جید کہا ہے اس مفہوم کی دوسری روایات کی تحقیق کے لئے دیکھئے اتحاف السادۃ المتقین للعلامۃ محمد مرتضیٰ الزبیدی، طبع جدید دار احیاء التراث العربی بیروت ص ۳۰ ج ۱۔ ص ۶۹ ج ۶۔

نیز ملاحظہ ہوں فیض القدیر علی الجامع الصغیر للعلامۃ المحدث محمد بن عبد الرؤف للمناوی، طبعۃ دار المعرفہ بیروت ۱۳۹۱ھ ۱۹۷۲ء حدیث نمبر ۲۰۸۷۔ ص ۳۵ / ۵ کشف الخفاء و مزیل الالباس عما اشتہر من الاحادیث علی السنۃ الناس للعلامۃ اسمٰعیل بن محمد عجلونی، طبعۃ دار احیاء التراث العربی بیروت طبع ثالث۔ حدیث نمبر ۲۱۹۹ ص ۱۸۳، حدیث ۲۸۴۴ ص ۲۳۸ / ۲۔

۹۳ یعنی حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی مہاجر مکی (ولادت ۱۲۳۳ھ / ۱۸۱۷ء وفات ۱۳۱۷ھ / ۱۸۹۹ء) پیر و مرشد حضرت محدث گنگوہی۔

۹۵ حضرت علامہ مولانا سید عبد الرحمٰن بن سید رستم علی کاندھلوی، علم و فضل میں امتیازی مقام رکھتے تھے مولف شمائم امدادیہ نے مولانا عبد الرحمٰن کو علامہ عصر سے یاد کیا ہے۔ اور محدث گنگوہی و مولانا محمد قاسم نانوتوی کے بعد حضرت حاجی صاحب سے بیعت ہونے والے جلیل القدر علماء میں سب سے پہلے مولانا عبد الرحمٰن کا ذکر

کیا ہے۔ شمائم امدادیہ۔ از جناب محمد مرتضیٰ خاں۔ قیومی پریس کانپور ۱۳۴۱ھ ص ۲۷
امداد المشتاق ص ۳۲۔ حضرت حاجی صاحب نے خلافت و اجازت بیعت سے
بھی سرفراز فرمایا۔ امداد المشتاق ص ۲۷۹۔

اتباع شریعت۔ مشتبہات سے احتراز اور شان تقویٰ کا اس سے اندازہ ہوگا
کہ مولانا کے چچا سید امام علی نے جو پولیس میں داروغہ تھے مولانا کے مکان سے ملا
کر اپنا مکان بنایا تو مولانا نے اس گلی سے گزرنا چھوڑ دیا طویل فاصلہ طے کرکے
دوسری طرف سے مسجد وغیرہ جاتے تھے۔ لوگوں کے اصرار پر فرمایا چچا پولیس میں
داروغہ ہیں انہوں نے اس کی تعمیر میں رشوت کا پیسہ بھی لگایا ہوگا اس لئے میں اس
کے سائے سے بھی احتیاط کرتا ہوں۔ مولانا کی عجیب و غریب کرامات بیان کی
جاتی ہیں

مولانا عبدالرحمٰن کے مولانا احمد علی محدث سہارنپوری سے خصوصی روابط
تھے۔ مولانا احمد علی کی شائع کردہ تفسیر بیضاوی (جلد ثانی احمدی دہلی ۱۲۷۱ھ) کے
آخر میں ان کی کہی ہوئی تاریخ طبع بھی شامل ہے۔

مولانا کو کئی بار زیارت حرمین کی سعادت حاصل ہوئی۔ ۱۲۷۷ھ میں حجاج
کے اس عظیم تاریخی قافلے میں بھی شامل تھے جس میں مولانا محمد قاسم نانوتوی،
مولانا محمد یعقوب نانوتوی، مولانا سید عابد حسین دیوبندی، مولانا عبدالسمیع
بیدل رام پوری، اور رام پور کے بہت سے افراد کے علاوہ مولانا مظفر حسین
کاندھلوی و مولانا نورالحسن کاندھلوی معہ زائد از صد نفر خاندان و قصبہ کاندھلہ
شریک تھے۔ مولانا محمد یعقوب نانوتوی نے اپنے روزنامچہ میں کئی جگہ مولانا

عبدالرحمٰن کا ذکر کیا ہے۔ تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو۔ روداد سفر حج مشمولہ بیاض یعقوبی ص ۱۹۹--۲۱۰ مطبوعہ مکتبہ تالیفاتِ اشرفیہ تھانہ بھون۔ اس سفر میں مولانا عبدالرحمٰن ۲۹ ذی قعدہ ۱۲۷۷ھ ۹ جون ۱۸۶۱ء کو مکہ معظمہ پہونچے۔ ___________________

— — — — — — — — — — —

مولانا کی وفات کے متعلق ان کے خاندان کے معمر ترین فرد منشی صدیق علی صاحب کا بیان ہے کہ مکہ معظمہ میں حضرت حاجی صاحب کی حیات میں وصال ہوا

— — — — — — — — — — —

— — — — — — — — — — —

— — — — — — — — — — —

— — — — — — — — — — —

— — — — — — — — — — —

نمبر۱۳ تعارف حاشیہ ۲۸ پر آچکا ہے۔

نمبر۱۴ مسافت قصر مشہور اور مفتی بہ قول پر تین منزل یعنی اڑتالیس میل ہے۔ خود محدث گنگوہی تحریر فرماتے ہیں:-

"چار برید جس کی سولہ سولہ میل کی تین منزلیں ہوتی ہیں حدیث موطا مالک سے ثابت ہوتی ہیں۔ مگر مقدار میل کی مختلف ہے لہذا تین منزل سب اقوال کو جامع ہو جاتی ہے"

فتاوی رشیدیہ مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی ص ۳۲۷

محدث گنگوہی نے پہلی منزل تھانہ بھون قرار دی - تھانہ بھون کاندھلہ سے ۲۱ میل ۵۴۰ گز ۰۰۰ (۳۵ کلو میٹر) ہے - دوسری منزل رامپور ہے - رامپور تھانہ بھون سے ۱۶½ میل (۲۵ کلو میٹر) ہے - رام پور سے سہارن پور صرف ۱۲½ میل (کلو میٹر) ہے - اس طرح تیسری منزل پوری نہیں ہوتی - لیکن اگر کاندھلہ سے سہارن پور تک کی کل مسافت ۵۰ میل ۱۱۰۰ سو گز - (۸۱ کلو میٹر) میں ہر ۱۶ میل پر منزل تسلیم کی جائے تو تین منزلیں پوری ہونے میں کوئی شبہ نہ رہے گا -

۴۲؎ تعارف کے لئے دیکھئے حاشیہ ۳؎

۴۳؎ یہ حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی کا مقولہ ہے جسے محدث گنگوہی اپنے مکاتیب میں بار بار نقل فرماتے ہیں - مولوی ممتاز علی امیٹھوی کو ایک خط میں لکھتے ہیں :-

" ہمارے شیخ الشیوخ قطب عالم شیخ عبد القدوس فرماتے ہیں کہ اگر کسی کو بعد مجاہدہ ہزار سالہ حسرت و درد نایافت حاصل ہو جائے تو سب کچھ اس کو حاصل ہو گیا -

(مکاتیب رشیدیہ ، مکتوب ۱۱۳ صـ۷۶)

۴۴؎ تفصیلات حاشیہ ۵ میں گزر چکی ہیں -

۴۵؎ چند ورق پلٹئے اور حاشیہ ۱۰ ایک بار پھر ملاحظہ فرمائیے -

۴۶؎ استاذ العلماء مولانا شاہ عبد الرزاق صاحب جھنجانوی جنہیں عبد الرحمٰن حیرت نے اشرف العلماء ، مرجع الانام ، امام الاتقیاء ، رئیس الصلحاء فخر الحکماء کے

القاب سے یاد کیا ہے۔ مفتی الٰہی بخش کاندھلوی کے نواسے اور عزیز ترین شاگرد تھے۔ درسیات اور طب تمام تر مفتی صاحب سے حاصل کی۔

مثنوی مولانا روم سے خصوصی شغف تھا عبد الرحمٰن حیرت لکھتے ہیں:۔

" بر مثنوی معنوی عاشق جاں باختہ و بر رنگینی مضامینش از تہہ دل فریفتہ و جان باختہ آویختہ بود "

"سفینہ رحمانی صد ۱۲۰"

ترجمہ:۔ مثنوی شریف کے عاشق زار اور اس کے مضامین پر دل کی گہرائیوں سے فریفتہ تھے "

تمام مثنوی ... نوک زبان تھی۔ مثنوی شریف کا نہایت اہتمام سے درس دیتے تھے۔ درس میں عشق الٰہی کا ایک خاص جوش پیدا ہوتا تھا۔ حضرت مفتی الٰہی بخش کو مولانا روم سے بطریق اویسی مثنوی شریف کی اجازت حاصل تھی۔ پھر شاہ عبد الرزاق صاحب کے ذریعہ یہ سلسلہ عام ہوا۔ اس وقت بھی افغانستان اور ہند میں مثنوی شریف کے اکثر سلسلے مولانا عبد الرزاق کے ذریعہ مفتی صاحب اور مولانا روم سے وابستہ ہیں۔ شاہ عبد الرزاق کے شاگردوں میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اور مولانا فتح محمد تھانوی کے نام سرفہرست ہیں۔

مثنوی سے اس عاشقانہ ارتباط کے ساتھ طب میں بھی اپنے ہم عصروں سے ممتاز تھے عبد الرحمٰن حیرت لکھتے ہیں۔

" در فن پُر شکی و مرض فہمی گوئے سبقت از ہمہ اطبا ربودہ "

" نباضی اور مرض فہمی میں اپنے تمام ہم عصروں سے ممتاز تھے۔ اس کے علاوہ

بانک، بنوٹ، اور سپہگری کے دوسرے فنون میں استادانہ مہارت رکھتے تھے اور بقول حیرت :-

" بیشتر ایں فن بہ شرفار و نجبا رمی آموخت "

سر سید کے ۴۵ سالہ رفیق اور دست راست حافظ عبدالرحمن حیرت مرتب " تہذیب الاخلاق " و مینجر لٹریری سوسائیٹی، مولانا کے ہمشیرزادے تھے - حیرت کی ابتدائی تعلیم و تربیت مولانا نے کی، پھر مولانا مظفر حسین اور مولانا نورالحسن صاحب کی ساتھ دلی لائے - یہاں پہونچکر مولانا نورالحسن نے انہیں سرسید کے سپرد کر دیا - حیرت پھر آخر عمر تک سر سید کے ساتھ رہے - تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو - انشائے فیض رحمانی (مجموعہ مکاتیب حیرت) مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ ۱۸۸۵ء ص ۲۲۸ " و شمامہ مشام افروز تالیف عبدالرحمن حیرت مطبوعہ نول کشور - حیرت کو بھی مولانا عبدالرزاق سے بہت ہی تعلق تھا ایک جگہ لکھتے ہیں :-

" این بزرگانِ دین تکیہ گاہِ ایں دل شکستہ و دوائے شفائے
این خستہ جگر اند " (" انشائے فیض رحمانی ص ۲۸)

یہ بزرگانِ دین اس دل شکستہ کا سہارا اور پریشانیوں میں آخری توجہ گاہ ہیں "

حیرت نے انشائے فیض رحمانی میں مولانا کے چند ملفوظات بھی نقل کئے ہیں ص ۲۷، ۲۲۶ تا ۲۲۹ - ص ۲۳۵، اور سفینہ رحمانی میں بھی مولانا کا ذکر بہت محبت اور احترام کے ساتھ کیا ہے - ص ۱۲۰ - مولانا عبدالرزاق صاحب نے

ربیع الاول ۱۲۹۲ھ اپریل ۱۸۷۵ء میں کاندھلہ میں وفات پائی اور مفتی الٰہی بخش کے مزار کے قریب دفن ہوئے۔

عبدالرحمن حیرت نے سفینۂ رحمانی میں مشاہیر کاندھلہ اور اپنے محسنوں کے مختصر حالات فارسی میں لکھے ہیں۔ اس حصہ کو پروفیسر محمد ایوب قادری نے مشاہیر کاندھلہ ودہلی کے نام سے اردو میں منتقل کیا۔ یہ مضمون سہ ماہی العلم کراچی جنوری تا مارچ ۱۹۶۷ء اور ماہنامہ دارالعلوم دیوبند... اکتوبر تا دسمبر ۱۹۶۷ء کے شماروں میں آیا۔ اس مضمون میں مولانا عبدالرزاق کا تذکرہ نہیں حالانکہ سفینۂ رحمانی میں مولانا عبدالرزاق اور ان کے چھوٹے بھائی مولانا عبدالغنی کا بھی تذکرہ موجود ہے سفینۂ رحمانی ص ۱۲۰-۱۲۱۔ اس پر قادری صاحب نے توجہ نہ فرمائی یا طباعت سے رہ گیا۔

۷ ؎ حافظ عبدالرزاق کاندھلوی۔ یہ کون بزرگ ہیں علمی اعتبار سے کس پائے کے تھے۔ کب وفات پائی۔ کچھ معلوم نہ ہو سکا صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ مولانا امیر باز خاں سہارنپوری (ولادت ۱۲۵۸ھ ۱۸۴۲ء، وفات ۱۳۲۵ھ ۱۹۰۷ء) نے قرآن شریف ان ہی بزرگ سے پڑھا۔ مولانا کا خود نوشت مجموعہ مکاشفات، استدراک الامیر من اسرار اللطیف الخبیر کے نام سے بلالی اسٹیم پریس ساڈھورہ میں طبع ہوا تھا۔ اس میں مولانا امیر باز خاں نے استاذی القران حافظ عبدالرزاق صاحب مرحوم کاندھلوی" ص ۱۰۱/۲ کا ذکر کیا ہے۔

۔ والحمد للہ وعلیہ التکلان ؎

اِشاریہ

اشخاص

سرورِ کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

۳ — ۴۷ — ۶۷ ،

الف

مقامات

کتابیات

"رسالے"

یعنی

ملّا عبدالرحمٰن جامی
ملّا علی قاری۔
شاہ ولی اللہ محدث دہلوی
نواب قطب الدین دہلوی
مفتی عنایت احمد کاکوروی

اور

"مولانا محمد حسین فقیر دہلوی" کی مرتبہ چہل احادیث "اربعینات"
کا مجموعہ، شگفتہ و سلیس اُردو ترجمہ اور تخریج روایات کے ساتھ
آفسٹ پر شائع ہو رہا ہے۔ قیمت ______

ناشر

الٰہی بخش اکیڈمی ___ کاندھلہ مظفر نگر یوپی

ہماری مطبوعات

اِن

اداروں سے طلب فرمائیے!

۱- مدینہ بک ڈپو، اردو بازار جامع مسجد دہلی ۶

۲- مکتبہ رحیمیہ احسانیہ، تانی تر ولی وایا کیم،
ضلع سورت (گجرات)

۳- مکتبہ تجلّی - دیوبند یوپی

۴- کتب خانہ امداد الغربا مفتی اسٹریٹ
سہارنپور